۱۹۰۴۱۹

مثنویِ

مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق

(مع ترمیم واضافہ)

ترتیب وتدوین

ڈاکٹر محمد منصور عالم

ناشر

مغربی بنگال اردو اکاڈمی

مغربی بنگال اردو اکاڈمی

۷۵/۲اے، رفیع احمد قدوائی روڈ، کولکاتا-۷۰۰۰۱۶

نام کتاب	:	مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ عاشقؔ
مصنف	:	ڈاکٹر محمد منصور عالم
سال اشاعت	:	۲۰۱۷ء
تعداد اشاعت	:	۵۰۰
صفحات	:	۱۶۰
کمپوزنگ	:	شاہین پروین، کولکاتا
مطبع	:	وکٹوریہ پرنٹرس اینڈ ایسوسی ایٹس
		77/1B، اے پی سی روڈ، کولکاتا-9

MASNAVI-I-MAHARAJA KALYAN SINGH ASHIQ

By: Dr. Md. Mansoor Alam

ISBN 978-93-84286-77-4

Edition 2017

Published by: West Bengal Urdu Academy

75/2A, Rafi Ahmed Qidwai Road, Kolkata - 16

اپنی بات

اردو زبان وادب کا فروغ مغربی بنگال اردو اکاڈمی کا اولین مقصد ہے۔ اس ضمن میں اکاڈمی نے بہتیرے پروگرام مرتب کیے ہیں اور اُن پر تن دہی سے عمل پیرا بھی ہے۔ نجی اشاعتی اسکیم بھی اس کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس اسکیم کے تحت اکاڈمی' مغربی بنگال میں تحقیق وتنقید اور زبان وادب کے حوالے سے محققوں' تنقید نگاروں' شاعروں اور ادیبوں کی تخلیق کردہ معیاری کتابیں رعایتی اور واجبی قیمت پر زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے عام قاری کے ہاتھوں میں پہنچانے کا بھی عزم رکھتی ہے تا کہ اردو دنیا نہ صرف مغربی بنگال کے ادبی منظرنامے سے واقف ہو سکے' بلکہ یہاں کا ادب محفوظ بھی رہ سکے۔

زیرِ نظر کتاب ''مثنویِ مہاراجہ کلیان سنگھ عاشقؔ'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اکاڈمی اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر محمد منصور عالم کی شکر گزار ہے۔

نزہت زینب

(سکریٹری)

دوسرا ایڈیشن

چند ادب نواز دوستوں اور بہی خواہوں کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے ''مثنویِ مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق'' کا یہ دوسرا ایڈیشن نظر ثانی اور اضافے کے بعد قارئین کی خدمات میں پیش کیا جارہا ہے۔ اس کتاب میں ''بنگال میں اردو مثنوی کا ارتقا'' کے عنوان سے ایک نئے باب کی شمولیت سے یقیناً اس کی اہمیت میں کچھ اضافہ ہوگا اور اربابِ علم و ہنر اس کی قدر کریں گے۔

امید ہے یہ ایڈیشن بھی سابقہ ایڈیشن کی طرح اردو کے پرستاروں اور شیدائیوں کو پسند آئے گا۔

محمد منصور عالم
کولکاتا

مشمولات

❖❖❖

حرفِ چند

صفیر بلگرامی نے اپنے شہرہ آفاق تذکرہ ''جلوۂ خضر'' میں عظیم آباد کو اردو کا تیسرا مرکز قرار دیا تھا۔ ہندی رسالہ ''وشال بھارت'' الہ آباد کے مدیر نے بہار میں اردو کا جائزہ لیتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ'' بہار میں اردو کا کوئی مہتو (اہمیت) نہیں'' جس کے جواب میں ڈاکٹر عبدالحق کا اعلان تھا کہ عظیم آباد اردو کا ایسا ہی بڑا مرکز ہے جیسے دتّی اور لکھنؤ (خطبات)۔ مشہور محقق قاضی عبدالودود کا نتیجۂ تحقیق ہے کہ ۱۱۷۱ھ سے ۱۲۲۰ھ تک کا زمانہ اس صوبہ (بہار) کی اردو شاعری کا عہد زرّیں ہے۔ اس عہد میں اردو شاعری کا جو چرچا یہاں (عظیم آباد) نظر آتا ہے اور خوش گو شاعروں کی جو بہتات یہاں پائی جاتی ہے، دتّی، لکھنؤ کو چھوڑ کر ہندوستان کی کسی اور شہر میں نہ ملے گی۔ (بہار کی اردو شاعری) اس نوع کے بیانات کے باوجود تاریخ ادب اردو کے صفحات بہار کی خدماتِ اردو کے ذکر اور غالباً ۱۹۳۰ء سے اربابِ دکن کی طرح علاقائی تحقیق و تلاش کا رجحان عام ہوا۔ رسالہ ''ندیم''، ''سہیل''، ''معیار''، ''معاصر''، ''اشارہ'' اور ''صنم'' وغیرہ کے صفحات اس امر کی بیّن شہادت ہیں۔

عزیز الدین بلخی، فصیح الدین بلخی، قاضی عبدالودود، کلیم الدین احمد، حسن عسکری، اختر اورینوی، مختار الدین آرزو، معین الدین دردائی اور سیّد حسن جیسے تعظیم اربابِ قلم کی تحقیق و تفتیش کے باعث پچاس سال کے عرصہ میں جستہ جستہ قدمائے بہار کے کارنامہ ہائے ادب منظرِ عام پر آ گئے اور پردۂ گم نامی میں روپوش، زمانہ کے حافظہ سے فراموش ادبا و شعرا

نے پہلی بار نئے لباس رنگین وخلعت زرّیں سے مزین ہو کر ایک باوقار بزم ادب آراستہ کردی۔

شاہ غلام نقشبند سجادؔ (۱۱۱۶ھ تا ۱۱۷۳ھ)، شاہ آیت اللہ جوہری (۱۱۲۶ھ تا ۱۲۱۰ھ)، شیخ محمد عابد عادلؔ (متوفی ۱۲۳۰ھ)، شیخ محمد روشن جوششؔ (۱۱۵۰ھ تا ۱۲۱۶ھ) میر محمد رضا رضا (۱۲۶۳ھ تا ۱۲۱۶ھ)، شیخ غلام یحییٰ حضورؔ (متوفی ۱۲۰۳ھ)، ہیبت قلی خاں حسرتؔ (۱۱۴۰ھ تا ۱۲۱۰ھ)، شاہ کمال علی کمالؔ (۱۱۳۰ھ تا ۱۲۱۵ھ)، خواجہ امین الدین امینؔ (متوفی ۱۱۹۹ھ)، مہاراجہ کلیان سنگھ عاشقؔ (۱۱۶۵ھ تا ۱۲۳۷ھ)، شیخ غلام علی راسخؔ (۱۱۶۲ھ تا ۱۲۳۸ھ)، میر محمد سلیم سلیمؔ (متوفی ۱۱۹۵ھ)، مرزا محمد علی فدویؔ (۱۲۱۰ھ) جیسے برگزیدہ و متبرک اربابِ ادب وشعر سے زمانہ روشناس ہوا۔

سطورِ بالا میں جن قدمائے ادب کے نام احاطۂ تحریر میں آئے ہیں، ان میں راجہ کلیان سنگھ عاشقؔ ابن راجہ شتاب رائے ناظم عظیم آباد کا مقام متعدد اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ نظامتِ مرشد آباد کی طرف سے نائب ناظم عظیم آباد تھے۔ اپنے عہد کی نہایت بلند و بالا، قد آور، مرصع و مسجع شخصیت کے حامل تھے۔ کئی بیش بہا کتب نثر و نظم کے نام ور مصنف تھے۔ قلم فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں یکساں رواں تھا۔ تاہم زمانہ نے ایسی روشن اور تاب ناک شخصیت کو ماضی کے نہاں خانہ میں تہہ در تہہ پردہ کے پس پشت ڈال دیا تھا۔ مورخ حسن عسکری اور محقق قاضی عبدالودود کی تلاش و جستجو سے یہ گوہرِ نایاب اربابِ نظر کے ہاتھ آچکا تھا۔ مگر تصویر کے خدو خال کو نمایاں کرنے اور رنگ و روغن سے نئی آب و تاب دینے کی سعادت عزیزی ڈاکٹر محمد منصور عالم کے لیے کارکنانِ قدرت نے تجویز کر رکھی تھی۔ چنان چہ آج مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ عاشقؔ موصوف کی دیدہ ریزی، تلاش و تحقیق اور سعی و محنت کے باعث کتابی صورت میں شائقین کے ہاتھوں میں ہے۔

دورِ قدیم میں بہار میں متعدد طویل مثنویاں لکھی گئی تھیں (۱) ''مثنوی گوہر جوہری'' از شاہ آیت اللہ جوہری مرقومہ ۱۱۶۱ھ تعداد اشعار ۱۲۳۰ (۲) مثنوی ''عشق نامہ'' از قادر علی

مرقومہ ۱۲۰۸ھ تعداد اشعار ۳۰۲۰ (۳) مثنوی شاہ کمال علی کمالؔ مرقومہ ۱۲۱۲ھ تعداد اشعار ۵۶۹ (۴) مثنوی کلیان سنگھ عاشقؔ مرقومہ ۱۲۳۲ھ تعداد اشعار ۲۳۰۰ (۵) مثنویات راسخؔ حسن و عشق، ناز و نیاز، نور انظار، جذب عشق، مکتوب شوق، کشش عشق، گنجینۂ حسن، سہیل نجات، نیرنگِ محبت، اعجازِ عشق، مراۃ الجمال، شرح حال، شہر آشوب اور مثنوی مدحیہ جیسی بیش قیمت مثنویاں نہایت اہم ہیں مگر زبان و بیان کی پاکیزگی، صحت و صفائی کے اعتبار سے مثنوی کلیان سنگھ عاشقؔ کا درجہ بہت بلند ہے۔ بعض قرائن سے میر حسنؔ کی سحر البیان کے بالکل قریب معلوم ہوتی ہے۔ ہر بیت دوسری بیت سے زنجیر کی کڑیوں کی طرح مربوط و پیوست ہے۔ کہیں بھی اس نوع کا مفرد شعر نہیں ملتا جو نظم کو لخت لخت کردے۔ ہر گام موج دریا کی سی روانی سے ہم دوچار ہوتے ہیں اور مصنف کے سبک خرام قلم کے ساتھ ہمارا تخیل ہمہ وقت ہم رکاب رہتا ہے۔ خود مصنف کو اپنی فصاحت و سلاست کا احساس ہے اور اس کا یہ قول بلاشبہ ناقابل تردید ہے:

یہ شعرائے دہلی کی گفتار ہے
کہ سن اس کو طوطی شکر بار ہے

کہیں کہیں کریہہ و ناپسندیدہ مناظر بھی آئے ہیں جس کا باعث مصنف کا آئین اخلاق نہیں بلکہ اس عہد کے غیر مخلوط معاشرے کی دین ہے۔ جس میں طبقۂ اناث کے افراد شریک محفل بھی ہیں تو وہ مہذب مخدرات کے بجائے شوخ و شنگ ارباب سرور و رقص ہیں جن کے یہاں پاسِ حجاب سے زیادہ کھل کھیلنے کی روایات ہیں۔ مصنف اگرچہ دہلوی الاصل ہے مگر اس کا ذوق ادب بہار و بنگال کی فضاؤں کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ خود مثنوی ہٰذا خیر البلاد کلکتہ میں نقل ہوئی ہے۔ مثنوی اور مصنف کی بابت ڈاکٹر محمد منصور عالم نے تفصیلات بقدر وافر پیش کردی ہیں۔ مزید اعادہ تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے۔

اس مثنوی کی ترتیب و اشاعت کے ذریعہ ڈاکٹر محمد منصور عالم نے اردو ادب کے خزانے میں گراں بہا اضافہ کیا ہے اور موصوف محققین اردو کی فہرست میں بجا طور پر

ایک معزز و مفتخر مقام کے مستحق ہوئے ہیں۔اس یادگار کارنامہ کے علاوہ مصنف کی دیگر تصانیف ترتیب وتبویب کے مراحل میں ہیں ۔ان کے ذوق وشوق طبیعت میں تیزی و چستی کے پیش نظر امید ہے کہ متذکرہ کتابوں کے لیے شائقین ادب کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ کتاب ''مہاراجہ کلیان سنگھ عاشقؔ: حیات وشاعری'' کی ترتیب و تدوین میں جن سلاست روی وسنجیدہ وشی ،توازن واحتیاط کا ثبوت فاضل مرتب پیش کر چکے تھے وہی تمام اوصاف وطریقۂ کار اس شاہ کار مثنوی کی ترتیب وتالیف میں بھی موصوف کا طرۂ امتیاز معلوم ہوتا ہے۔لائق مرتب مستحق صد مبارک باد ہیں کہ ان کی سعی ومحنت کے باعث قدیم پارۂ ادب جو دست برد ماضی ہو چکا تھا، دفتر پارینہ کے گم شدہ اوراق بننے سے محفوظ رہ گیا جس کی وجہ سے خزانۂ ادب اردو کے تمول میں بیش بہا اضافہ ہوا۔

والسلام

شاہ مقبول احمد

استاد اردو، کلکتہ یونی ورسٹی

۶ رمئی ۱۹۸۵ء، کلکتہ

تعارف

یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ عزیزی ڈاکٹر محمد منصور عالم نے کلیان سنگھ عاشق کے فارسی کلام پر بھرپور کام کرنے کے ساتھ ساتھ اس گم نام شاعر کی نسیان کے جزدان میں بند مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق پر فاضلانہ مقدمہ، ضروری تصحیح اور بعض مفید حواشی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد منصور عالم شعبۂ فارسی، مولانا آزاد کالج سے وابستہ ہیں۔ مہاراجہ کلیان سنگھ کی فارسی خدمات پر کلکتہ یونیورسٹی نے انہیں پی ایچ.ڈی.کی ڈگری تفویض کی ہے۔ انہوں نے مہاراجہ صاحب کی مثنوی کی ترتیب و تصحیح بڑی عرق ریزی اور جاں کاہی سے کی ہے اور اپنے فرض سے عہدہ برا بھی ہوئے ہیں۔ مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق کی مثنوی کے قصے میں کوئی نیا پن نہیں ہے مگر ان کے طرزِ بیان کی سلاست و شگفتگی کی وجہ سے اکثر اشعار سبک خرام لہروں کی طرح رواں دواں ہیں۔ عزیزی ڈاکٹر محمد منصور عالم نے بنگال و بہار کے ایک گم نام فارسی شاعر کی اردو تخلیق کو منظر عام پر لا کر جرأت رندانہ کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ کلیان سنگھ عاشق کی یہ مثنوی اردو طبقہ میں مقبول ہوگی اور عزیزی موصوف کی محنت سوارت ہوگی۔

جاوید نہال

صدر شعبۂ اردو، مولانا آزاد کالج ،کلکتہ

واستاد اردو، کلکتہ یونیورسٹی

۲۲/اپریل ۱۹۸۵ء

پیش لفظ

ہندوستان میں اردو کی ترقی و ترویج میں جہاں مسلم شعرا و ادبا کے کارنامے زندہ جاوید ہیں، وہاں ہندوؤں کے کارنامے اور ان کی خدمات بھی آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ اپنے مسلمان ادبی حریفوں کی طرح اردو زبان و ادب کی ترقی اور اس کے خزانے کو مالا مال کرنے میں صد ہا ہندو شعرا و ادبا نے ہر دور میں ان کے دوش بدوش کام کیا ہے۔ اردو ایک طرف مسلم شعرا کے کمال فن اور ان کی گراں قدر تخلیقات کی رہین منت رہی ہے تو دوسری طرف وہ بے شمار جلیل القدر، نام ور اور قادر الکلام ہندو شعرا کی ادبی خدمات پر بھی نازاں ہے۔ ان میں بعض تو شہرت جاوداں کے مالک ہوئے اور بعض تذکرہ نگاروں کے بے توجہی یا پھر تعصب کی نذر ہو کر قعر گم نامی میں چلے گئے۔ مہاراجہ کلیان سنگھ عاشقؔ بھی آخر الذکر قسم کے فن کاروں میں سے ہیں۔ ان کا جتنا بھی فارسی یا اردو کلام دستیاب ہے، اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری ان کی گھٹی میں تھی اور وہ میدانِ شعر و شاعری کے شہسوار تھے۔ ان کے اشعار جملہ خصائص اور فنی لوازمات شعری سے پورے طور پر مزین اور آراستہ ہیں مگر با این ہمہ افسوس اور صد افسوس کا مقام ہے کہ ایسے با کمال شاعر کے حالات زندگی اور ادبی کارنامے بھی اربابِ تذکرہ کو دو چار سطر لکھنا گوارہ نہ تھا۔ چوں کہ ان کا کلام طباعت و اشاعت سے محروم رہا اس لیے اردو ادب کی تاریخ میں ان کو کوئی مقام حاصل نہ ہو سکا۔

کلیان سنگھ ہندوستان میں اردو و فارسی زبان و ادب کے ان نام ور اور با کمال

ہندوشاعروں میں سے ایک تھے جنہوں نے اٹھارہویں صدی کے اواخر میں نہ صرف محفلِ شعروسخن کو گرمایا بلکہ اس زمانے کی سیاست میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے والد مہاراجہ شتاب رائے ناظم بنگال و بہار کے دوش بدوش نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ وہ اس صدی کے آخری دور کے تابندہ ستاروں کے درمیان ایک روشن آفتاب کی مانند تھے جس نے نصف صدی تک بہار و بنگال کے جہانِ شعروادب پر نورافشانی کی۔ وہ ایک طرف فارسی کے زبردست ناظم و نثار تھے تو دوسری طرف عربی اور اردو میں بھی دست گاہ کامل رکھتے تھے۔ جہاں فارسی زبان و ادب پر ان کے احسانات ہیں وہاں اردو بھی ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئی ہے۔ وہ نہ صرف شاعروادیب تھے بلکہ بڑے علم دوست اور شعرا و ادبا کے قدردان تھے۔ ان کے زمانے میں اردو کی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے اخترؔ اورینوی فرماتے ہیں:

> "اس (کلیان سنگھ) گھرانے اور مہاراجہ رام نرائن موزوں کی بدولت اس عہد میں (اٹھارہویں صدی عیسوی کا آخری اور انیسویں صدی عیسوی کا ابتدائی حصہ) عظیم آباد (پٹنہ)، دہلی اور لکھنؤ کا ہم پلّہ ہو رہا تھا۔ اس کی بڑی شہرت ہوئی اور شاعروں کی کثرت نے اس شہر کو اردو کا ایک اہم مرکز بنا دیا۔"

(بہار میں اردو زبان کا ارتقا، مولفہ: سیّد اختر اورینوؔی ص: ۲۴۱-۲۴۲)

بارہویں صدی ہجری کا زمانہ اردو کا عہدِ زریں کہلاتا ہے۔ اس عہد میں ہندوؤں نے اردو ادب کی ترقی و ترویج میں کافی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ادب کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہوگا جس پر انہوں نے روشنی نہ ڈالی ہو۔ ان کی ادبی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالحق فرماتے ہیں:

> "ابتدائی زمانہ میں اردو اپنی ترقی و اشاعت کے لیے قریب قریب تمام تر ہندوؤں کے ضخیم مذہبی صحیفوں کے ان منظوم و منثور ترجموں کی مرہون منت رہی جو ہندوؤں کے قلم کے کارنامے تھے، اور جن کا سلسلہ اب تک بند نہیں ہوا ہے۔ ان ترجموں میں

مذہبی عقیدت کارفرماتھی اس لیے ان کو عام مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ گویا اردو کی مقبولیت تھی۔ ترجموں کے بعد طبع زاد تصانیف کو لیجیے تو اس ذخیرہ کا حساب وشمار ہی نہیں ہوسکتا۔ شعروادب کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں ہندوؤں کے ذہن رسا اور فکر بلند نے معجزے نہ دکھائے ہوں۔ بعض شعبوں کے تو پیشوا یہی ہوئے۔ کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں ہندو بلند پایہ شاعر وانشا پرداز نہ ہوئے ہوں۔''

(بحوالہ ''یادِ رفتگاں'' مولفہ: جگر بریلوی ص:۹)

ڈاکٹر عبدالحق کا قول صد فی صد حقیقت پر مبنی ہے۔ بلا شبہ ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ اپنے توسنِ فکر کی جولانیاں اور فلک پیما ذہن رسا کے معجزے دکھائے۔ غزل گوئی، نظم نگاری، قصیدہ نگاری، مرثیہ اور مثنوی، غرض یہ کہ ہر صنف شاعری میں انہوں نے اپنی صلاحیت کے لازوال اور ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ جہاں تک اردو مثنویوں کا تعلق ہے، اردو ادب میں دو ہی ایسی مثنویاں ہیں جو امر ہوگئی ہیں۔ ان میں سے ایک کا خالق ہندو ہی ہے جسے دنیائے ادب پنڈت دیا شنکر نسیم کے نام سے یاد کرتی ہے۔ میر حسن کی مثنوی ''سحرالبیان'' کے بعد اگر کسی دوسری مثنوی کو شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی تو وہ صرف گلزار نسیم ہی ہے۔ یوں تو پنڈت دیا شنکر نسیم کے بعد بہت سے دوسرے ہندو شعرا نے بھی مثنویاں لکھی ہیں مگر ان کو وہ شہرت حاصل نہیں ہوئی جو نسیم اور میر حسن کو حاصل تھی۔ اردو کی بے شمار مثنویاں وجود میں آئیں اور زمانے کی ناقدری اور ناقدین کی عدم توجہی کا شکار ہوکر قعرِ گم نامی میں چلی گئیں۔ ایسی ہی بدقسمت مثنویوں میں ایک مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق کی بھی ہے جس کا ذکر یہاں مقصود ہے۔

مجھے اپنے تحقیقی مقالے "A Scholar of repute in Persion Maharaja Kalyan Singh Ashiq" کی تیاری کے سلسلے میں مہاراجہ کی جن تخلیقات کا پتہ چلا ان میں پیش نظر مثنوی بھی شامل تھی۔ دیگر گم نام مثنویوں کی طرح اس کا بھی وہی حشر ہوتا مگر بھلا ہو محسن ادب حضرت قاضی عبدالودود کا، جن کی ذات

بیابان کی شبِ تاریک میں قندیل کی مثال ہے کہ جنھوں نے ادب کے اس شہ پارے کو برباد ہونے سے بچا لیا اور اسے اپنے پرچے 'معاصر' میں (۱۹۴۶ء تا ۱۹۴۷ء) قسط وار شائع کر دیا جسے بعد میں "دائرۂ ادب" (پٹنہ) نے کتابی صورت دے دی لیکن ہر دو نے اس مثنوی پر نہ تو کوئی تنقید ہی شائع کی اور نہ ہی شاعر کے حالاتِ زندگی قلم بند کرنے کی زحمت گوارا کی۔ اپنے مقالے کی تیاری کے دوران ہی یہ کمی مجھے کھٹکنے لگی تھی اور میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر فرصت نصیب ہوئی تو ادب کے اس شہ پارے کو ایک بار پھر شاعر کے حالات زندگی اور مثنوی مذکور پر تنقیدی جائزہ کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ کروں گا۔ چوں کہ میرا تحقیقی مقالہ کلیان سنگھ کی فارسی خدمات سے متعلق تھا اس لیے مثنوی پر سیر حاصل بحث نہ کر سکا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں اپنے دیرینہ مقصد میں کامیاب ہوا اور آپ کے سامنے مہاراجہ کلیان کی مثنوی جو "سحر البیان" کا بالکل نمونہ معلوم ہوتی ہے، پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ مجھے خوبیوں سے زیادہ اپنی خامیوں کا احساس ہے۔ کتاب جیسی بھی ہے آپ کے سامنے ہے۔ میرا مقصد بہار و بنگال کے ایک گم نام شاعر کو دنیائے ادب سے روشناس کرانا ہے۔ میں اپنے اس ارادے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ اربابِ علم و ہنر کریں گے۔ بہر حال یہ میرا خوش گوار فرض ہے کہ میں اپنے مقالہ کے نگراں استاد محترم جناب ڈاکٹر عطا کریم برقؔ سر آسوتوش پروفیسر و صدر شعبہ عربی و فارسی، کلکتہ یونیورسٹی کا شکریہ ادا کروں جنھوں نے ہر قدم پر میری رہنمائی اور ہمت افزائی کی۔ اگر ان کی سرپرستی شامل حال نہ ہوتی تو اس کتاب کی اشاعت کا خیال شرمندۂ عمل نہ ہو پاتا۔

اپنے والد محترم جناب محمد اسماعیل کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں جن کی ہمت افزائی اور ادب دوستی کی وجہ سے مجھے اس کتاب کو ترتیب دے کر منظر عام پر لانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ چنان چہ میں اپنی یہ حقیر تالیف ان کے نام معنون کرتا ہوں۔

میں اپنے مشفق و مہربان استاد محترمی پروفیسر شاہ مقبول احمد صاحب، شعبہ اردو

کلکتہ یونیورسٹی کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس کتاب کی اشاعت کی ترغیب دی، مفید مشوروں سے نوازا اور اس کتاب پر اپنا بیش قیمت مقدمہ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ ناانصافی ہوگی اگر میں اپنے اُستادوں کا شکریہ ادا نہ کروں، جنہوں نے مجھے لکھنے کی طرف مائل کیا اور ہر قدم پر میری رہ نمائی کی۔

اپنے عزیز ترین دوستوں ڈاکٹر محمد عالم گیر، جناب عبدالمجید انصاری اور پروفیسر تنویر احمد کا بھی میں ممنون ہوں جنہوں نے پوری مثنوی نقل کرنے میں میری مدد کی اور پروف پڑھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔

میں محترمی قاضی عبدالودود (بیرسٹر) پٹنہ کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جن کی وجہ سے ادب کا یہ شہ پارہ محفوظ رہ سکا۔ موصوف کی اس قسم کی اردو خدمت پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ استاد محترم جناب ڈاکٹر جاوید نہال، صدر شعبۂ اردو کا شکریہ بھی ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب پر اپنی بیش قیمت رائے دے کر راقم الحروف کی ہمت افزائی کی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ پیش نظر کتاب میں خامیاں نہیں مگر یہ ساری خامیاں میری خام کاریوں، محدود معلومات و صلاحیت اور کوتاہ وسائل کا نتیجہ ہیں۔ اس میں جتنی خوبیاں ہیں وہ احباب کے تعاون اور بزرگوں کی دعاؤں کی مرہون منت ہیں۔

ڈاکٹر محمد منصور عالم

باب اوّل

بنگال میں اردو مثنوی کا ارتقا

اردو زبان وادب کی تاریخ جب کبھی بھی لکھی جائے گی اس میں بنگال کی خدمات کا ذکر ناگریز ہوگا۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ نہ صرف تحقیقی عمل کے ساتھ مذاق ہوگا بلکہ اخلاقی اور ادبی جرم بھی ہوگا لیکن تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس جرم کے مرتکب اردو کے کئی تذکرہ نگار اور محققین ہو چکے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابوں کو وہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو ان کا حصہ بنتی تھی۔ اردو کے حوالے سے بنگال کو کئی معنوں میں اولیت اور سرفرازی کا درجہ حاصل ہے مثلاً جدید نثر کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا اور کلکتہ کا فورٹ ولیم کالج اس کا مرکز بنا اور صرف یہی نہیں بلکہ اردو صحافت کی کونپلیں بھی اسی سرزمین سے پھوٹیں۔ لہٰذا بنگال کا اردو زبان و ادب کے ساتھ گہرا رشتہ ہے۔ یہاں کے شعرا و ادبا نے گیسوئے اردو کو نہ صرف سنوارا اور سجایا ہے بلکہ اس میں بسنے والی خوشبو کو بھی عام کیا ہے۔ اپنی سخن وری اور شاعرانہ صلاحیتوں کے بل بوتے پر اپنی ایک الگ شناخت بنائی ہے۔ آزاد، عبیدی، نساخ، آصف، شمس کلکتوی، وحشت، بیخود، پرویز شاہدی، جمیل مظہری وغیرہ شعرا بنگال میں آسمان ادب کے وہ درخشندہ ستارے ہیں جن کی ضیا پاشیوں سے شعروادب کی دنیا آج بھی بقعۂ نور بنی ہوئی ہے۔ اسی طرح اردو کی ترقی وترویج میں اپنے مسلمان بھائیوں کے دوش بدوش بنگالی اور غیر بنگالی ہندوؤں نے بھی اہم رول انجام دیا ہے اور باغ اردو کو سیراب کرنے اور اس میں طرح طرح کے پھول کھلانے میں ایک تجربہ کار اور منجھے ہوئے باغ بان کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اردو شاعری کو زندگی، تابندگی،

پائیداری اور استقامت عطا کرنے میں ہندو حضرات صف اول میں نظر آتے ہیں۔ ٹیگور اور نذرل کی اس سرزمین پر بسنے والا شاید ہی کوئی شاعر ایسا ہوگا جس نے ہر صنف سخن پر طبع آزمائی نہیں کی ہو۔ غزل ہو یا نظم، قصیدہ ہو یا رباعی، مرثیہ ہو یا مثنوی غرض کہ ہر صنف سخن نے اس سرزمین پر پوری توجہ پائی ہے۔ اگر چہ بنگال کو ابھی تک اردو کا نہ تو مرکز تسلیم کیا گیا ہے اور نہ ہی اسے دبستان کا نام دیا گیا ہے لیکن ناقدین اور محققینِ اردو بعض معاملات میں اولیت کا سہرا اسی کے سر باندھتے اور اس صوبے کی ادبی خدمات کا کھل کر اعتراف کرتے ہیں۔

تحقیقی کام حرفِ آخر نہیں ہوتا۔ مثنویوں پر کافی تحقیقی کام ہوا ہے لیکن مطالعے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ بہت سی مثنویوں کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ یوں تو مثنویاں بہت سی لکھی گئی ہیں لیکن آج تک ان کی آخری اور حتمی فہرست کوئی جاری نہیں کر سکا ہے اور نہ ہی شاید ایسا کرنا ممکن ہو سکے گا۔ یہی حال بنگال میں لکھی گئی مثنویوں کا بھی ہے۔ الگ سے لکھی گئی مثنویوں کا پتہ تو چل جاتا ہے لیکن شعرا کے دواوین اور کلیات میں مندرج چھوٹی چھوٹی مثنویاں محققین کے ہاتھ نہیں لگتیں۔ لہٰذا ہر روز نئی نئی مثنویوں کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ آج بھی بہت سی مثنویاں نجی کتب خانوں میں یا بڑے بڑے سرکاری یا نیم سرکاری کتب خانوں میں مطبوعات یا قلمی نسخوں کی شکل میں موجود ہوں گی جن کا تذکرہ اس چھوٹے سے مقالے میں نہیں آسکتا۔

اس سے قبل کہ بنگال میں اردو مثنویوں کے ارتقا کا جائزہ لیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی کی تعریف، اس کی ہیئت اور موضوعات پر ایک نظر ڈالی جائے۔ مثنوی کی تعریف مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں مختلف ڈھنگ سے کی ہے۔ اس کی کوئی نئی تعریف ابھی تک وجود میں نہیں آئی ہے۔ اس لیے کچھ لکھنے سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں چند ممتاز ناقدین کی آرا سے آگاہی کرائی جائے۔

''مثنوی'' عربی کے لفظ مثنیٰ سے بنا ہے جس کے معنی دو دو کے آتے ہیں اور

اصطلاح میں ان اشعار کو کہتے ہیں جن کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور حسب ضرورت ہر شعر کے بعد قافیہ میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے یعنی ہر شعر کا قافیہ الگ ہوتا ہے۔ مثنوی میں ردیف کا استعمال نسبتاً کم کیا جاتا ہے۔

جہاں تک مثنوی کے اشعار کی تعداد کا سوال ہے اس پر غور کرنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نہ تو موضوع کی کوئی قید ہوتی ہے اور نہ تعدادِ اشعار کی۔ تعداد شعر کے سلسلے میں شاعر کی مرضی کو دخل ہوتا ہے۔ مثنوی کو اس کے موضوع کے اعتبار سے کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جیسے عشقیہ، رزمیہ، اخلاقی اور صوفیانہ، غنائیہ، تہذیبی، صیدیہ، مدحیہ اور ہجویہ۔ اردو شاعری میں زیادہ تر عشقیہ مثنویاں لکھی گئی ہیں۔ جدید دور میں اس کا کینوس بڑھا ہے۔ لہٰذا قومی، ملکی، ملّی اور سماجی مسائل پر بھی مثنویاں وجود میں آئی ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ مثنوی کے سلسلے میں دانشورانِ اردو کی کیا رائیں ہیں۔

مولانا عبدالسلام اپنی کتاب ''شعرالہند'' میں فرماتے ہیں:

''مثنوی شاعری کی ایک ایسی عام صنف ہے جس میں عشق و محبت کے جذبات بھی ظاہر کیے جاتے ہیں۔ مدح اور ستائش بھی کی جاتی ہے۔ باغ وراغ اور دشت و جبل کے مناظر بھی دکھائے جاتے ہیں اور نوحہ و ماتم بھی کیا جاتا ہے۔ تاریخی واقعات بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ اس لیے اس میں غزل، قصیدہ، مرثیہ اور واقعہ نگاری کے تمام اصول و قوائد کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ وہ ایک مسلسل نظم ہے اور اس کے اشعار ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہوتے ہیں جس طرح زنجیر کی ایک کڑی دوسری کڑی سے وابستہ ہوتی ہے۔''

(شعرالہند جلد:۲ ص:۲۷۷)

شبلی نعمانیؔ مثنوی کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''انواع شاعری میں یہ صنف تمام انواع شاعری کی بہ نسبت زیادہ مفید، زیادہ ہمہ گیر ہے۔ شاعری کے جس قدر انواع ہیں سب اس میں نہایت خوبی سے ادا ہو

سکتے ہیں۔ جذبات انسانی، مناظر قدرت، واقعہ نگاری، تخیل ان تمام چیزوں کے لیے مثنوی سے زیادہ کوئی میدان ہاتھ نہیں آسکتا۔ مثنوی میں اکثر کوئی تاریخی واقعہ یا کوئی قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر زندگی اور معاشرت کے جس قدر پہلو ہیں سب اس میں آجاتے ہیں۔" (شعرالعجم جلد:۴ ص:۲۴۷)

مثنوی کے سلسلے میں یہاں حالؔی کے خیالات کا ذکر نہایت ضروری ہے اس لیے کہ حالؔی نے اپنی کتاب "مقدمہ شعروشاعری" میں اس صنف کی خامیوں پر کھل کر تنقید کی ہے اور اس کے کچھ اصول وضوابط بھی قائم کیے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ مثنوی کی وسعت کے مداح ہیں۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

"الغرض جتنی صنفیں فارسی اور اردو شاعری میں متداول ہیں ان میں کوئی صنف مسلسل مضامین بیان کرنے کے قابل، مثنوی سے بہتر نہیں ہے۔ یہی وہ صنف ہے جس کی وجہ سے فارسی شاعری کو عرب کی شاعری پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔"

(مقدمہ شعروشاعری ص:۲۰۳)

مثنوی کے سلسلے میں موجودہ دور کے ایک ناقد کی رائے مزید معلومات فراہم کرتی ہے جس کا ذکر یہاں بے محل نہ ہوگا۔ مثنوی کی ہیتی خصوصیات اور موضوعی وسعت کے پیش نظر احسؔن مارہروی لکھتے ہیں:

"نظم کی تمام اصناف میں مثنوی ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی وسعت، اس کی ہمہ گیری اور اس کے فوائد سب سے زیادہ اور سب پر حاوی ہیں۔ جذبات انسانی، مناظر قدرت، تاریخی واقعات جس خوش اسلوبی اور روانی سے مثنوی میں سما سکتے ان کی اتنی گنجائش کسی صنف سخن میں نہیں۔ زندگی کے تمام سوانح رزمیہ ہوں یا تاریخی، عشقیہ ہوں یا اخلاقی، فلسفیانہ ہوں یا افسانہ، غرض کہ تخیل کی کھپت مثنوی میں ہوتی ہے۔ اس آسانی اور وسعت کا سبب یہ ہے کہ مثنوی میں بہ لحاظ قافیہ و ردیف ہر شعر جداگانہ ہوتا ہے۔ قصیدہ وہ غزل کی طرح ایک ہی قافیہ پر اس کی

بنیاد نہیں ہوتی۔ اشعار کی تعداد بھی محدود نہیں۔ ایک سے ایک ہزار بلکہ لاکھوں تک اختیار ہے۔" (مقدمہ کلیات ولی احسن مارہروی ص:۷۷)

مثنوی سے متعلق ناقدین اور شعرائے کرام کی آرا اگر جمع کی جائیں تو ایک الگ کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ لہٰذا یہاں مزید کسی کے قول یا رائے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی مثنوی کے فن پر یہاں بحث و تمحیص مقصود ہے۔ جنوبی اور شمالی ہند کے بعض شہروں کے شعرائے کرام نے سینکڑوں کی تعداد میں مثنویاں لکھی ہیں جن میں بعض نہ صرف شہرت دوام حاصل کر چکی ہیں بلکہ ادب عالیہ کا حصّہ بھی بن چکی ہیں اور انہیں دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کی تخلیقات کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے اور کچھ مثنویاں ایسی بھی ہیں جو ہنوز توجہ طلب ہیں۔ اسی طرح مغربی بنگال کے شعرائے کرام نے بھی مثنوی نگاری میں اپنے اپنے کمالِ فن کا کھل کر مظاہرہ کیا ہے۔ اس صوبہ میں بالخصوص شہر کلکتہ میں لکھی گئی مثنویاں زیادہ مقبول تو نہیں ہوسکیں لیکن ان کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ ان میں بعض مثنویاں اردو کی بڑی مثنویوں کی صف میں آسکتی ہیں۔ زبان و بیان کے لحاظ سے بنگال کی بہت سی مثنویاں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ زیرِ نظر باب میں یہاں لکھی گئی مثنویوں کا ایک اجمالی جائزہ لیا جارہا ہے۔

بنگال میں لکھی گئی مثنویوں کی اچھی خاصی تعداد ہے لیکن اس بات کا یقین کرنا یا کوئی حتمی فیصلہ کر لینا کہ کون سی مثنوی پہلے لکھی گئی مشکل ہے۔ جس طرح تحقیق کی راہیں دن بدن کشادہ ہوتی جارہی ہیں اور ادب کے ہر معاملے میں نئے نئے گوشے نکالے جارہے ہیں مثنوی کے سلسلے میں بھی کوئی بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔ بہر حال زیرِ نظر مقالہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس امر پر تفصیلی گفتگو کی جائے۔ یہاں مقصد صرف اتنا ہے کہ بنگال میں لکھی جانے والی مثنویوں کا ذکر کیا جائے تاکہ پتہ چل سکے کہ شعرائے بنگالہ نے بھی اپنی فن کارانہ صلاحیتوں کے مظاہرے میں کسی بھی کمی کا ثبات نہیں دیا ہے۔

بنگال میں مثنوی نگاری کا تعلق فورٹ ولیم کالج سے گہرا ہے۔ بہت ساری مثنویاں اسی کالج سے منسلک منشیوں کی رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہیں بلکہ بہت سی مثنویاں فارسی سے ترجمہ کی گئیں مثلاً حیدریؔ نے نظامی گنجوی کی مثنوی ''ہفت پیکر'' کا ترجمہ کیا جسے اس نے اس کالج کے حل وعقد کی فرمائش پر کیا تھا لیکن یہ مثنوی اس مقبولیت کو نہیں پہنچ سکی جو اس کا حق تھی۔ اس کے منظوم ترجمہ کا سبب حیدرؔ بخش حیدری نے یوں لکھا ہے:

ہفت پیکر جو نظامی نے کہی ہے نبٹ دلچسپ خوبی سے بھری
لیکن تو اس کو بہ ہندی نظم کر کیوں کہ ہے قند مکرر خوب تر
ہفت پیکر تھا نظامی گنجوی کا کلام میں نے ہندی کر دیا اس کو تمام
جب یہ نسخہ میں نے ہندی میں لکھا ہفت پیکر نام بھی اس کا رکھا
فارسی کو کر دیا ہندی تمام تا رہے ہندوستاں میں میرا نام

(ہفت پیکر قلمی نسخہ صفحہ:۲ بحوالہ: انیسویں صدی میں بنگال کا اردو ادب ص:۹۹)

حیدریؔ نے یہ ضرور سوچا ہوگا کہ نظامی گنجویؔ کی معرکۃ الآرا مثنوی کو اردو کا جامہ پہنا دینے سے اسے بھی وہی شہرت نصیب ہوگی جو ''ہفت پیکر'' کو ہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ جو ایشیاٹک سوسائٹی کی ملکیت ہے اور ۱۵۳/اوراق پر محیط ہے۔

بہارِ سخن

میر شیر علی افسوسؔ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''آرائشِ محفل'' کے لیے مشہور ہیں اور فورٹ ولیم کالج کے منشیوں میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ لکھنؤ کے قیام کے زمانے میں انہوں نے عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی اور اپنی خدا داد شاعرانہ صلاحیتوں کی وجہ سے اچھے شاعروں میں شمار کیے جانے لگے اور صاحبِ دیوان بھی ہو گئے[1]۔ ان کی کلیات میں ایک مثنوی ملتی ہے جس کا نام انہوں نے ''بہارِ سخن'' رکھا ہے[2]۔ انہوں نے اس مثنوی کے نام

---

1. سیّد محمد ارباب نثر اردو ص:۱۰۶، عبیدہ بیگم: فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ص:۱۱۲
2. ڈاکٹر محمد عقیل اردو مثنوی کا ارتقا (شمالی ہند میں) ص:۱۱۲-۱۱۳

کی وضاحت آخری شعر میں کی ہے۔اس بات کا صحیح پتہ نہیں چلتا کہ افسوس نے یہ مثنوی اپنے قیام لکھنؤ کے درمیان لکھی تھی یا کلکتہ آ کر اپنا دیوان مرتب کر کے اس مثنوی کو اس میں شامل کیا تھا۔ چوں کہ مثنوی کا موضوع آصف الدولہ کا ہولی کھیلنا ہے اس لیے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ کلکتہ میں نہیں بلکہ لکھنؤ میں ہی لکھی گئی ہوگی۔ لیکن دوسری طرف اس دیوان میں چوں کہ گل کرسٹ، کرنل اسکاٹ، بارلو اور کالج کے دوسرے افسروں کی مدح میں قصائد شامل ہیں اس لیے زیادہ امکان اس امر کا ہے کہ افسوس نے اس کی ترتیب کا کام فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کے ابتدائی دنوں میں کیا ہوگا۔ بہر حال چوں کہ افسوس کی باقی زندگی کلکتہ میں گزری اس لیے اس مثنوی کو بنگال میں ان کی ادبی سرگرمیوں کا حصہ سمجھنا چاہیے۔

فورٹ ولیم کالج کے ایک دوسرے منشی مظہر علی خاں ولا نے بھی ایک مثنوی لکھی جو ان کے کلیات میں شامل ہے۔ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے جس کا سالِ تدوین ۱۸۱۰ء ہے۔ڈاکٹر عبیدہ بیگم کے مطابق اسے ڈاکٹر عبادت بریلوی نے مرتب کر کے پاکستان سے شائع کر دیا ہے[1]۔مولانا آزاد کالج کے سابق صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر عبدالستار نے ''مظہر علی خاں ولا: حیات و خدمات'' پر اپنا تحقیقی مقالہ لکھ کر وشوا بھارتی یونیورسٹی شانتی نکیتن سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔

بارہ ماسہ یا دستور ہند

فورٹ ولیم کالج کے ایک اور منشی مرزا کاظم علی جوان نے بھی جان گل کرسٹ کی فہمائش پر ایک مثنوی مسمّٰی ''بارہ ماسہ یا دستور ہند'' لکھی۔ یہ مثنوی ۱۸۰۳ء میں لکھی گئی اور ۱۱۴ صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس کی اشاعت نو سال کے بعد ہوئی یعنی ۱۸۱۲ء میں۔ اسے ہندوستانی پریس نے شائع کیا۔افسوس کہ اس کا قلمی نسخہ موجود نہیں۔اس مثنوی میں کاظم نے ہندوستان کے بارہ مہینوں، یہاں کے موسم اور رسم و رواج کا ذکر کیا ہے۔انیسویں

---

[1] عبیدہ بیگم ''فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات'' ص:۱۴۵

صدی کی لکھی گئی مثنویوں میں بارہ ماسہ کا اپنا ایک الگ مقام ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود اس کتاب کے اوراق خستہ ہو چکے ہیں اور بہت سے اوراق جگہ بہ جگہ کرم خوردہ ہو چکے ہیں۔

مثنوی حفیظ الدین بردوانی

مولوی حفیظ الدین بردوانی کا شمار فورٹ ولیم کالج کے منشیوں میں ہوتا ہے۔ اپنے ہم عصر منشیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہوں نے بھی ایک مثنوی لکھی جس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب ''خرد افروز'' میں کیا ہے جو عیار دانش کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ نسخہ کی شکل میں ہے اور ۳۹۵ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کے بعض ابواب کا ترجمہ مسٹر پی۔ ٹی مینویل نے کیا ہے جس کی طباعت ہوگلی پریس میں ہوئی تھی۔ مثنوی کے چند ابیات یوں ہیں :

جو ہیں زیر دست ان کی غم خواری کر　　زبردستی دہر سے دل میں ڈر
حکومت کی مسند تو اس جا لگا　　جہاں داد خواہوں کی پہنچے صدا
نہ دے فعل و عمل کو کچھ اس میں راہ　　کہ شاید انہیں پردہ ہوں وہ داد خواہ

(قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی ص:۳۲)

چشمۂ فیض

اسی کالج سے وابستہ ایک اور منشی معین الدین فیضؔ نے ''چشمۂ فیض'' نام کی ایک مثنوی لکھی۔ یہ مثنوی طبع زاد نہیں ہے بلکہ فرید عطارؔ کی مثنوی ''پند نامہ'' کا اردو ترجمہ ہے۔[1] ۱۳۶/ اوراق پر محیط اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں موجود ہے۔ عنوان کے نیچے درج ذیل عبارت نقل ہے:

"چشمۂ فیض ترجمہ پند نامہ عطار قدس سرہ نیشاپوری کا، واسطے زبدہ نشان عظیم الشان کیدان بارگاہ انگلستان

(۱) عتیق صدیقی: گل کرسٹ اور اس کا عہد ص: ۲۰۰

اشرف الاشراف مارکویس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام
اقبالہ کے مسٹر جان گل کرسٹ[1] ثروت کی فرمائش کیا ہوا
معین الدین فیض کا۔

نستعلیق میں لکھا ہوا یہ نسخہ بہت صاف اور خوب صورت ہے اور ۲۷ر صفحات پر مشتمل ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بخط شاعر ہے اس لیے کہ کتابت کی خامیوں سے یکسر پاک ہے۔

مثنوی لطف موسوم بہ نیرنگ عشق

بنگال میں لکھی گئی مثنویوں میں ایک مثنوی ''مثنوی لطف'' بھی ہے جس کے خالق مرزا علی لطفؔ ہیں جو چالیس کی عمر میں کلکتہ آئے تھے اور فورٹ ولیم کالج کے منشیوں کی جماعت میں داخل ہو گئے تھے۔ مرزا علی لطفؔ اردو اور فارسی کے ایک منجھے ہوئے شاعر تھے۔ وہ ''تذکرۂ ہند'' کے مؤلف کی حیثیت سے کافی مشہور ہیں۔ نثر میں بھی ان کی تخلیقات ہیں۔ ڈاکٹر ثمینہ نے مذکورہ مثنوی کی تدوین کر کے حیدر آباد سے شائع کر دیا ہے۔ اس مثنوی کے سنہ تصنیف اور نام کے بارے میں وہ لکھتی ہیں :

> ''(شمالی ہند) کی سب سے پہلی مثنوی کے تصنیف کے سنہ کا ہم کسی حد تک یقین کر سکتے ہیں اور وہ لطفؔ کی مثنوی ''نیرنگِ عشق'' ہے۔ قدرت اللہ شوقؔ کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مثنوی ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ء) سے قبل لکھی جا چکی تھی۔ اس لحاظ سے نیرنگ عشق شمالی ہند کی اولین مختصر مثنوی میں سے ایک ہے۔''

(مثنوی لطفؔ موسوم بہ نیرنگ عشق، حیدر آباد ۱۹۶۲ء ص: ۷۹)

اس مثنوی کے ۴۱۱ ر اشعار ہیں۔ ۱۳ ر اشعار صرف عشق کی توصیف میں ہیں۔

مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے :

عشق ہے کوئی عجب نیرنگ باز عشق ہے طرفہ بلائے جاں گداز

---

[1] دیکھیے عنوان کا صفحہ چشمۂ فیض قلمی نسخہ

اور اختتام ان اشعار پر ہوتا ہے :

لطف بس اب بے ادب اتنا نہ ہو　　　منہ تو اپنا دیکھ اور یہ گفتگو
لائق انساں نہیں یہ قال و قیل　　　ہے جو مداحِ علی یاں جبریل

(مرزا لطف علی: حیات و کارنامے از: ڈاکٹر اکبر علی بیگ ص:۲۸۷)

بہارِ دانش

یہ مثنوی انیسویں صدی میں بنگال کے ایک مشہور شاعر مرزا جان طپشؔ کی ہے۔ اس کے دو قلمی نسخے ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہیں۔ ایک کا نام ''بہارِ دانش'' ہے اور دوسرے کا تاریخی نام ''باغ و بہار'' ہے۔ یہ مثنوی ''سحر البیان'' کے طرز پر لکھی گئی ہے لیکن اس میں وہ بات نہیں جو ''سحر البیان'' کا حصہ ہے۔ طپشؔ کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ میں محفوظ ہے جس میں ایک طویل مثنوی ''بہار دانش'' شامل ہے جو اپنی دل کش طرز نگارش کی وجہ سے طپشؔ کی شاہ کار تخلیق سمجھی جاتی ہے۔ قید سے رہائی کے بعد انہوں نے ارباب کالج کی ستائش و مدح میں کچھ اشعار شامل کر کے ان کی نذر کی تھی۔ ان کی اس ادبی خدمت پر کالج کی جانب سے پانچ سو روپے کا انعام بھی ملا تھا۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۲۵۵ھ بمطابق ۱۸۳۹ء میں مطبع محمدی، کلکتہ سے شائع ہوئی۔

بہارِ عشق

اس نام کی کئی مثنویاں ہیں جن میں مرزا شوقؔ کی ''بہار عشق'' کلاسیکی آہنگ اور گہری رومانیت کے لیے ہمیشہ زندہ رہے گی۔

فیضی کا شمار فارسی کے مشہور شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''مثنوی نلدمن'' کے لیے کافی مشہور ہیں۔ ''بہارِ عشق'' اسی مثنوی کا منظوم ترجمہ ہے جس کے مترجم نور علی بن نذر علی ہیں۔ یہ مثنوی چوں کہ بہت مشہور ہے اس لیے قارئین کے لیے کوئی نئی نہیں ہے۔ البتہ نور علی بن نذر نے جو زبان استعمال کی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ مصنف نے اس کتاب کے ترجمے اور تالیف کی وجہ بھی بیان کی ہے۔

چشمۂ فیض

نساؔخ کا شمار بنگال کے مشہور شعرا میں ہوتا ہے۔ نثر اور نظم دونوں پر یکساں قدرت رکھنے والے اس شاعر نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں اپنی تنقیدی بصیرت کا بھی ثبوت دیا ہے۔ یہ مثنوی ان ہی کی تخلیق ہے۔ فریدالدین عطار کی مثنوی ''پندنامہ'' کا ترجمہ یوں تو بہتوں نے کیا ہے لیکن نساؔخ نے اپنی زبان دانی سے اس میں جان پیدا کر دی ہے۔ معین الدین فیضؔ کا ترجمہ ''چشمۂ فیض'' کبھی شائع نہیں ہوا جب کہ نساؔخ کی یہ مثنوی ۱۸۰۳ء میں شائع ہوکر مقبول عام ہو چکی ہے۔

نساؔخ کی ''چشمۂ فیض'' ۴۸ر صفحات پر مشتمل ہے۔ انہوں نے تتمہ میں تاریخی قطعہ خود لکھا ہے :

پند نامہ شیخ عطار کا ترجمہ نساخ جو میں نے کیا
دھیان آیا یک بیک تاریخ کا خوب زیبا ترجمہ دل نے کیا

مندرجہ بالا تاریخی قطعہ کے علاوہ دلہ قطع دیگر بھی ہے:

چون پسند نامہ عطار ترجمہ کردم که شد زو بدن انصاحب نظر خود سند
من از سروش چو تاریخ ترجمہ جستم جواد داد زہی بے نظیر و زیبا ہند
(۱۲۷۶ھ)

شاہد عشرت

یہ مثنوی بھی نساؔخ کی مثنویوں میں سے ایک ہے جو اپنے دور میں کافی مقبول ہوئی۔ اس کی تخلیق ۱۲۷۱ھ سے ۱۲۸۰ھ تک ہوئی۔ لیکن گیارہ برس کے بعد یعنی 1219ھ بمطابق ۱۸۷۴ء میں اس کی اشاعت ممکن ہو سکی۔ یہ صرف ۱۴ر صفحات پر مشتمل ہے اور بہت مختصر ہونے کے باوجود فن شاعری کا ایک دل کش نمونہ ہے۔ شاعر نے اس مثنوی میں جس شاعرانہ انداز میں محبوب کے سراپا کی تصویر کشی کی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ نساؔخ نے مٹیا برج کے ایک مشاعرے میں اس مثنوی کو سنا کر مشاعرہ لوٹ لیا تھا۔

''صفت قامت'' کے عنوان سے ان کے اشعار ملاحظہ کیجیے :

ہے آفت جاں بلا وہ قامت　　یا کہیے نمونۂ قیامت
ہے غیرت نخل طور قامت　　روشن ہے برنگ نور قامت
نساخ کی باتوں کی طرح راست　　وہ قد ہے غضب کا بے کم و کاست

''شاہد عشرت'' کا ترقیمہ ملاحظہ کیجیے :

''صورت مرجان آفرین داستایش که ابن عروس زیبا مضامین و امن شاہد فوائیں که این موسوم بسرا پائے شاہد عشرت ست در مطبع نامی نول کشور واقع لکھنؤ بماہ اکتوبر ۱۸۴۷ء مطابق شہر شعبان ۱۲۹۱ ھ شیرین اسلوب وزیور تمامی پیراستہ وسہ طبع آراستہ شد۔

سیّد لطیف الرحمٰن نے اپنی مشہور کتاب ''نساخ سے وحشت تک'' میں نساؔخ کی ایک اور مثنوی ''در مذمت شراب'' کا ذکر کیا ہے۔

گل باغ و بہار اور نظم بہار

ٹالی گنج میں لکھی گئی یہ مثنوی محمد علی داؤد نادانؔ کی تخلیق ہے۔ داؤد حیدر آباد کے رہنے والے تھے لیکن ٹیپو سلطان کے بھتیجے نواب غلام ربانی افسر کے ایما پر ٹالی گنج میں آ کر بس گئے تھے۔ یہ مثنوی قصہ گل و بکاؤلی پر مبنی ہے۔ کہانی کے اعتبار سے اس میں کوئی نیا پن نہیں ہے۔ اس میں نہ تو کوئی دلکشی ہے اور نہ برجستگی۔ مثنوی ''نظم بہار'' کو نادانؔ نے شہزادہ غلام محمود کی نذر کی تھی۔ مثنوی ''گلِ باغ و بہار'' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تھا یورپ کے شہروں میں اک بادشاہ　　کہ تھا وہ شہنشاہ گیتی پناہ
یہ کہتے ہیں زین الملوک اس کا نام　　سبھی امر سے تھا یہ مقصد تمام
کہ قدرت سے حق کی تھے فرزند چار　　کہ علم و فضل میں تھے وہ آشکار
سوا ان کے اک اور پیدا ہوا　　کہ شمس و قمر جس پہ شیدا ہوا

(شانتی رنجن بھٹاچاریہ　تذکرہ شعرائے ٹالی گنج کلکتہ ص:۱۱۱)

مثنوی نجم بہار

مثنوی ''نجم بہار'' قاضی عبدالحمید کی تخلیق ہے۔ قاضی صاحب ایک عالم، ادیب اور مفکر شاعر تھے۔ وہ نساخ کے ایک صاحبِ دیوان شاگرد تھے۔ انہوں نے نظموں، غزلوں اور رباعیوں کے علاوہ مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ مثنوی ''نجم بہار'' انہوں نے اپنے ایک دوست کی خوشامد میں لکھی تھی جو اس وقت کے ایک رئیس تھے۔ ڈاکٹر جاوید نہال ان کی مثنوی پر اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں :

> ''اس میں وہ زورِ بیان نہیں ہے جو اردو کی دوسرے درجہ کی مثنویوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن ان کی مثنوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کو منظر نگاری میں کمال حاصل تھا۔ مثنوی کے آغاز میں ......سماں باندھ دیا گیا ہے۔ ہوگلی کے ارمنی گھاٹ کا منظر ملاحظہ فرمائیے :

عجب دریائے ہوگلی کی ہے تقدیر — کس دریا کی کب ایسی ہے تقدیر
عجب مجمع ہے دریا کے کنارے — غضب مجمع ہے دریا کے کنارے
قیامت ہیں ادائیں مہ وشوں کی — ادائیں ہیں بلائیں مہوشوں کی
نہا کر کچھ اُٹھے ہیں، کچھ کھڑے ہیں — کمر پر گیسوئے پیچاں پڑے ہیں
کسی کی ہے نگاہیں سوئے مشتاق — کسی کی آنکھیں صورت جوئے مشتاق
کبھی ترچھی نظر سے دیکھنا کچھ — کبھی خوف و خطر سے دیکھنا کچھ

(جاوید نہال نساخ کا ایک صاحبِ دیوان شاگرد ''شاعر'' ممبئی اپریل۔مئی ۱۹۶۲ء ص:۱۴)

مثنوی کلکتہ

نور خان کی یہ مثنوی اپنے زمانے میں کافی مشہور ہوئی تھی۔ انہوں نے اس مثنوی کی تخلیق انگریزوں سے انعام و اکرام حاصل کرنے کی غرض سے کی تھی حالاں کہ ان کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ملی۔ انگریزی حکام نے ان کی قدر نہیں کی لہٰذا وہ زندگی بھر دل برداشتہ رہے۔ چالیس صفحات پر پھیلی ہوئی یہ مثنوی اس عہد کے کلکتہ کی ایک جھلک

پیش کرتی ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے اس مثنوی کے آغاز کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں :

باغِ عالم میں چلی ہے پھر ہوائے خوشگوار — پھر پیام عیش لایا انقلاب روز گار
پھر طراوت کا زمانہ پھر وہی ابرِ بہار — پھر وہی دنیائے دل میں آرزوئیں بے شمار
پھر وہی بیتابیِ دل پھر محبت بے قرار — پھر نیازِ عشق ، نازِ حسن سے امیدوار
پھر حسینوں کا نظارہ سو بسو ہے کو بکو — پھر وہی گرم نظارہ دیدہ و دیدار جو
پھر مذاقِ زندگی میں ایک سوز و ولولہ — پھر حسینوں کا تصور شوق میں ہے مشغلہ
پھر وہی ہے تشنگیِ جام نو شانِ بہار — پھر الا یا ایّھا الساقی ادر کا سا پکار
فکر سے بے گانگی ہے جام نوشی کا اثر — کیف کی حالت میں دنیا اور آتی ہے نظر
بے سر و سامانی میں ساز و سامانِ خوشی — ایک پیمانہ میں گویا سب نشاطِ زندگی
مے گساری سے طبیعت رنگ پر آئی ہوئی — شعر کے سانچوں میں ڈھلتا ہے مذاق عاشقی
شعر گوئی کا ہے جذبہ پھر دلوں میں موجزن — شاعرانِ شوق ساماں پھر ہوئے گرم سخن
پھر ہوئی آراستہ بزم سخن میرے لیے — پھر ضروری ہو گیا اظہارِ فن میرے لیے
مثنوی گوئی کا اب جوہر دکھانا ہے مجھے — داستانِ شہر کلکتہ سنانا ہے مجھے

۴۸ رصفحے کی یہ مثنوی ۱۸۷۲ء میں ستارہ ہند پریس سے شائع ہوئی۔

مثنوی ساقی نامہ

اس مثنوی کے خالق دردمند فقیہ تھے۔ وہ دکن کے رہنے والے تھے اور وہیں ان کی پیدائش ہوئی۔ صوفی منش آدمی تھے۔ مرزا مظہر جان جاناں سے شرف تلمذ حاصل تھا اور ان سے ارادت بھی رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کے کچھ دن عظیم آباد اور کچھ دن شاہجہاں آباد (دہلی) میں بھی گزرے۔ نواب نوازش محمد خاں کی دعوت پر وہ مرشد آباد چلے آئے اور اسی شہر کا اپنا مستقل وطن بنالیا۔ مرشد آباد کے شعرائے کرام میں ان کی خوب آؤ بھگت تھی۔ انہوں نے ۱۱۷۶ھ بمطابق ۱۷۶۳ء میں یہیں انتقال کیا۔

دردمند بنیادی طور پر فارسی کے شاعر تھے اور صاحب دیوان تھے۔ لیکن ان کی شہرت کی بنیاد مثنوی ''ساقی نامہ'' پر ہے جس کا ذکر اکثر تذکروں میں آیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالروٗف لکھتے ہیں کہ:

''دیوانِ مخلص کا تعارف کراتے ہوئے اسپرنگر نے بتایا ہے کہ ایشیاٹک سوسائٹی نسخہ نمبر ۹۰ میں اسے دو مثنویاں ملیں، لیکن اس کے ساتھ اس نے انتباہ کا اظہار بھی کیا ہے۔ آیا یہ دونوں مثنویاں اسی مخلص کی ہیں جس کے دیوان کا وہ تعارف کرارہا ہے۔ پہلی مثنوی جو تقریباً ایک سو اشعار پر مشتمل ہے اس کی شروعات اس طرح ہوتی ہے۔''

الٰہی تیری یہ مقدور نہیں　　　اگر دشمن کا دستور نہیں

(ڈاکٹر عبدالروٗف　میر باقر مخلص مرشد آبادی　ص:۸۰)

ڈاکٹر عبدالروٗف کے مطابق یہ پہلی مثنوی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا، دردمند فقیہ کی ہے۔ مثنوی ''ساقی نامہ'' ایک اہم مثنوی ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے کافی عمدہ اور سلیس ہے۔

مثنوی سراپا سوز

یہ مثنوی قاضی محمد صادق اختؔر کا عظیم ادبی کارنامہ ہے جس کی تخلیق انہوں نے ۱۲۲۴ھ میں کی تھی۔ قاضی اختر کو اردو سے زیادہ فارسی پر قدرت اور دسترس حاصل تھی۔ قاضی صاحب کا تعلق بنگال سے تھا اور یہیں ان کی پیدائش ہوئی لیکن ملازمت کے سلسلے میں انہیں ہندوستان کے مختلف شہروں کے چکر کاٹنے پڑے۔

مثنوی ''سراپا سوز'' ایک چھوٹی سی عشقیہ کہانی ہے جس نے مثنوی کی شکل اختیار کرلی ہے۔ گوپی چند نارنگ اس مثنوی پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مثنوی مختصر ہے۔ کہیں کہیں تصنع سے کام لیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر اشعار رواں اور بندشیں چست ہیں۔ شاعر کے کلام سے اس کے زور طبیعت اور پختگی کا پتہ چلتا ہے۔''　　(رجوع کیجیے ''اردو مثنویاں'' از: ڈاکٹر گوپی چند نارنگ)

شاعر نے مثنوی کے شروع میں عشق کی تعریف میں ۷۹/اشعار لکھے ہیں جو میر کی مثنوی "دریائے عشق" کے رنگ میں ہیں۔ زبان کے لحاظ سے یہ اشعار دل کش اور شستہ ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند نے اپنی کتاب "اردو مثنوی شمالی ہند میں" اس مثنوی کے جستہ جستہ چند اشعار درج ذیل نقل کیے ہیں :

خلق عالم سے مدعا ہے عشق | مظہر ذات کبریا ہے عشق
عشق کو دل سے ارجمندی ہے | عشق معراج سر بلندی ہے
کہیں یہ کوچۂ سلامت ہے | کہیں سنگ سرِ ملامت ہے
کہیں گیسوئے یار بنتا ہے | کہیں ڈسنے کو مار بنتا ہے
کہیں یہ پھول ہو کے بار ہوا | کہیں پھل ہو جگر کے پار ہوا
کہیں یہ لطفِ نشہ مے ہے | کہیں ایسا بھی ہے کہ لاشے ہے

حسرت موہانی نے بھی "سراپا سوز" کو شائع کیا۔ اس مثنوی کا قلمی نسخہ آزاد لائبریری کے حبیب گنج نمبر- ۵۵۶ میں محفوظ ہے لیکن اس نسخے میں اس کا سنہ تحریر ۱۲۸۷ھ درج ہے۔[1] مثنوی کی اہم خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قومی یکجہتی اور باہمی رواداری کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔

مثنوی حزن اختر[2]

سلطان واجد علی شاہ و جان عالم اختر کی یہ شاہکار مثنوی مٹیا برج کی یادگار تصنیف ہے۔ اس میں ان کی معزولِ سلطنت کی داستان، قید و بند کی صعوبتیں، بیت الخلا کی غلاظت اور مچھروں کی ایذا رسانی کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ ہی قید خانہ کے کرنل کو نیا کا شکریہ بھی ادا کیا گیا ہے جس نے قید میں بادشاہ اودھ کو ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچانے کا کام

---

1. رجوع کیجیے "تاریخ ادب اردو" رام بابو سکسینہ

2. رام بابو سکسینہ نے اپنی کتاب "تاریخ اردو ادب" اور کوکب قدر سجاد علی مرزا نے اپنی کتاب "واجد علی شاہ کی ادبی اور ثقافتی خدمات" (ص ۶۰۷) میں اس مثنوی کا نام "حزنِ اختری" لکھا ہے۔

انجام دیا تھا۔ عبدالحلیم شررؔ ۲۱ راگست ۱۹۲۱ء کو "حزن اختر" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"لہٰذا قید خانے میں اپنے حالات اور مصائب و انقلاب عالم پر ایک مثنوی تحریر فرمائی جس کا نام "حزن اختر" رکھا۔ یوں تو یہ مثنوی ایک شاعرانہ کلام ہے مگر دراصل شاہ جنت آرام گاہ کی آٹو بایو گرافی یعنی خود اپنی سوانح عمری کا ایک دردناک ٹکڑا ہے۔"

(مثنوی حزن اختر مرتبہ: عبدالحلیم شرر ص: ۷)

آگے چل کر لکھتے ہیں :

"یہ مثنوی آج سے ۶۵ برس پیش تر ۱۲۶۶ھ جب کہ بادشاہ قید فرنگ میں تھے، تصنیف ہوئی اور اس کے کئی سال بعد ۱۲۷۶ھ میں ظل اللہ جہاں پناہ کے مطبع واقع مٹیا برج سے چھپ کر اہل دربار میں اور ملازمین میں تقسیم ہوئی۔"

("مثنوی حزن اختر" (تمہید کے عنوان سے) مرتبہ: عبدالحلیم شرر ص: ۳۵)

مثنوی "حزن اختر" بلاشبہ واجد علی شاہ کی ایک شاہکار مثنوی ہے اور ان کے فطری رجحانات کی نمائندگی کرتی ہے۔ ادبی لحاظ سے اس مثنوی کی زیادہ اہمیت تو نہیں ہے لیکن اس کی سوانحی اور تاریخی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس کی تاریخی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ اس میں جتنے نام آئے ہیں اور جتنے سنن نظم ہوئے ہیں، وہ سب تاریخی اعتبار سے درست ہیں اور اس دور کی تاریخ لکھنے میں معاون و مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ روایت کے مطابق اس مثنوی کی ابتدا بھی حمد سے ہوتی ہے جو صرف تین اشعار پر مبنی ہے۔ اس کے بعد چار اشعار نعت کے ہیں۔ پھر منقبت کے بعد شاعر نے ایک چھوٹا سا عنوان "ساقی نامہ واحوال مصنف در قید خانہ" قائم کیا ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے اس کے چند اشعار یہاں پیش کیے جائیں۔

دلا بعد حمد و نعت رسول — پس از منقبت لکھ تو اب با اصول
پلا ساقیا وہ مئے سرخ رنگ — کہ ہو نشہ سے جس کے دل میں اُمنگ
اکیلا ہے زنداں میں اک مئے پرست — شب و روز ہے خوف روز الست

مہینوں سے ہے طالب وصل یار ۔۔۔ نہ زنداں میں پہنچی نسیم بہار
نہ آتی ہے جاں، نہ نکلتا ہے دم ۔۔۔ حجر ہوگئی رنج سے چشم نم
ہوا بھی جو آتی ہے تو سہمگین ۔۔۔ نہ یاور نہ مونس نہ کوئی قریں
رفیقوں نے چھوڑا اکیلا مجھے ۔۔۔ سبھوں نے کنویں میں ڈھکیلا مجھے
عیال اور اطفال لوٹے گئے ۔۔۔ جہاں میں مرے لال لوٹے گئے
جگر جل گیا گرمئی رنج سے ۔۔۔ تنفر ہوا ایک قلم گنج سے
نمی تک نہیں نام کو آنکھ میں ۔۔۔ نہ نیند آتی ہے شام کو آنکھ میں

ہرمزنامہ (اردو مثنوی)

بنگال میں اردو زبان وادب کی خدمت میں خواتین کا بھی زبردست حصّہ ہے۔ الف انصاری نے اپنی تحقیقی کتاب ''شاعرات بنگالہ: حیات اور خدمات'' میں بنگال کی بہت سی خواتین کا ذکر کیا ہے جنھوں نے شاعری کے ہر صنف میں طبع آزمائی کی اور اپنی صلاحیت کا سکہ جمانے میں کامیاب رہیں۔ ایسی ہی خواتین میں شریف النساء کا اسم گرامی شامل ہیں جنہوں نے مذکورہ مثنوی لکھ کر اردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ کیا۔ شریف النساء کا تعلق مرشد آباد کے نوابوں کے دربار سے تھا۔ ان کا ایک نسخہ خطی بعنوان ''اردو مثنوی'' پروفیسر محفوظ الحق کی ذاتی لائبریری مین موجود تھا۔ پتہ نہیں یہ نسخہ اب کہاں ہے؟ اس میں چار ہزار اشعار تھے جو ۳۱۶ صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس مثنوی کا ایک نسخہ خدابخش لائبریری، پٹنہ میں بھی محفوظ ہے۔

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اس مثنوی پر اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے:

''مثنوی کی کہانی عام مثنوی جیسی ہے یعنی پری اور انسان کے عشق کی داستان۔ اس مثنوی میں خاص خصوصیت یہ ہے کہ انسان پری پر عاشق نہیں ہوتا بلکہ جنوں کا بادشاہ ایک ارضی شہزادی پر عاشق ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے مقصد میں ایک انسان کی مدد سے کامیاب ہوتا ہے۔ مثنوی کا انداز بیان سیدھا سادھا ہے۔ روانی بھی ہے

لیکن زبان کی غلطیاں بکثرت ہیں عربی الفاظ کی صحت کا خیال نہیں رکھا گیا ہے
جس طرح بولتی ہیں اسی طرح لکھتی ہیں۔"
("اردو ادب کی تاریخ میں خواتین کا حصہ" از: ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ص:۴۹)

مسلم شاعروں کی طرح اس صوبے کے بنگالی اور غیر بنگالی ہندو شعرا نے بھی شاعری کے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے اور اپنے قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں۔ دوسرے اصناف سخن کے علاوہ انھوں نے مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ جن میں مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق، راجہ اپور بو کرشنا بہادر اور راجہ کشن کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان کی تصنیف کردہ مثنویاں درج ذیل ہیں۔

کلکتہ میں لکھی جانے والی مثنویوں میں ایک مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق کی ہے جو وارن ہسٹنگز کے دور حکومت میں بنگال و بہار کے نائب دیوان (ناظم) تھے۔ اپنے عہدے سے معزول کیے جانے کے بعد وہ مراعات حاصل کرنے کے لیے پٹنہ سے کلکتہ چلے آئے اور تقریباً چالیس سال تک یہاں سکونت پذیر رہے تاکہ کمپنی سے اپنے لیے انصاف حاصل کرسکیں اسی قیام کے دوران انھوں نے اردو میں ایک شاندار مثنوی لکھی۔ لکھی کیا بلکہ اس کی املا کسی کاتب سے لکھوائی اس لیے کہ اس وقت وہ بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ چوں کہ اس مثنوی کے اصل نسخے کے شروع کے چند صفحات غائب تھے اس لیے اس کا اصل نام معلوم نہ ہوسکا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے "مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق" کے نام سے شائع کیا گیا۔ چوں کہ اس مثنوی سے متعلق تفصیلی بحث پیش نظر کتاب میں آگئی ہے اس لیے یہاں اس سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

مثنوی جہاں دار شاہ وشہزادی حور۔ مثنوی شاہجہاں ونور جہاں

یہ دونوں مثنویاں بنگال کے ایک مشہور بنگال شاعر راجہ اپور بو کرشنا بہادر کنور (۱۸۶۱ء-۱۸۱۵ء) کی تصنیف ہیں۔ دونوں مثنویاں راجہ اپور بو کرشنا بہادر کی زبردست ادبی کارنامہ ہیں۔ شاہ جہاں ونور جہاں مطبوعہ ۱۲۴۷ بنگلہ بمطابق ۱۸۴۴ ایشیاٹک سوسائٹی

نمبر-۲۳۳۰ میں موجود ہیں۔

ڈاکٹر غلام جیلانی نے "کنور: اپنی دو مثنویوں کی روشنی میں" شائع کر دیا ہے۔ یہ ان کے تحقیقی مقالے کا عنوان بھی تھا۔ موصوف نے بنگال میں لکھی گئی ان دونوں گم نام مثنویوں کو منظر عام پر لا کر ایک اہم ادبی کارنامہ انجام دیا ہے۔

مثنوی جہاں شاہ و جہاں بانو

ایک دوسرے غیر مسلم بنگالی شاعر نے ایک مثنوی بعنوان "مثنوی جہاں شاہ و شاہ جہاں بانو" ۱۲۲۳ھ بمطابق ۱۸۰۸ء میں لکھی۔ یہ اب تک گوشۂ گم نامی میں پڑی ہوئی تھی لیکن بھلا ہو اردو کے ایک نامور محقق ڈاکٹر پروفیسر یوسف تقی کا، جنہوں نے انتہائی دیدہ ریزی کے بعد اس مثنوی کو تدوین کر کے شائع کر دیا ہے۔ شاعر کے حالات زندگی، مثنوی کی ادبی اور لسانی خصوصیات پر طویل مضمون لکھ کر انہوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر مختار الدین آرزو کا دیباچہ اس کتاب کی ارزش و اہمیت میں اضافہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر یوسف تقی کی اطلاع کے مطابق اس مثنوی کا قلمی نسخہ حبیب الرحمٰن مرحوم کے ذاتی کتب خانے میں تھا جو ان کی وفات کے بعد ڈھاکہ یونیورسٹی کی ملکیت ہے۔ ڈاکٹر تقی نے ۷۶/صفحات پر مشتمل ایک جامع اور مبسوط دیباچہ کے ساتھ اس کتاب کو عوام الناس سے روشناس کر کے ایک اہم ادبی خدمت انجام دی ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں سیّد شرف الدین شرؔف کے مجموعۂ کلام "گلستان شرف" کا پتہ چلتا ہے جس کی اشاعت ۱۹۱۳ء میں ہوئی تھی۔ اس کتاب میں چھوٹی چھوٹی تین مثنویاں شامل ہیں۔ شرؔف ڈھاکہ کے رہنے والے تھے لیکن ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ کلکتہ میں گزرا۔ ان کو اردو زبان وادب پر کافی دسترس تھی یہی وجہ ہے کہ ان کی مثنویاں زبان وبیان کے اغلاط سے یکسر پاک ہیں۔ اشعار میں سلاست اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔

مثنوی عدل محمود

یہ مثنوی آرزؔو لکھنوی کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے محمود شاہ غزنوی کی

رعایا پروری و عدل گستری کا ایک دلچسپ عشقیہ داستان بطور مثنوی نظم کی ہے۔ ۴۶؍ر صفحات پر محیط یہ مثنوی ٹالی گنج میں لکھی گئی تھی جسے سیّد محمد ناوک لکھنوی نے ناوک کمپنی ۲/۱۲۷ اسر کلر گارڈن ریچ روڈ، خضر پور سے شائع کیا تھا۔ ''تذکرہ شعرائے ٹالی گنج'' کے مصنف شانتی رنجن بھٹا چاریہ نے اس مثنوی کے خاتمے کے چند اشعار نقل کیے ہیں جو یہاں قارئین کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

آرزو روک اب عنان قلم ہو چکی داستان عشق رقم
ہو بھلا یا برا نہیں چھپتا نیک پھل ہے جہاں میں نیکی کا
گو نہ ہے عہد خسرو و محمود اور نہ زندہ ہے تاجر مسعود
نہ ہے تاجر کا وہ سعید پسر نہ وزیر اور نہ پارسا دختر
نہ وہ مرزا جو تھے بڑے بانکے نہ ہیں ان سب کو دیکھنے والے
مثلِ اسلاف زیر چرخ بلند ہوگئے سب زمین کے پیوند
اب اگر کوئی ڈھونڈنا چاہے قبر کا بھی نشان نہ ملے
چند ہی روز میں تہ افلاک کھا گئی استخواں تک ان کے خاک
گو کہ باقی نشان کچھ نہ رہا نام سے اپنے ہیں وہ سب زندا
چرچے اب بھی ہیں اور رہیں گے یونہیں لوگ اچھا انہیں کہیں گے یونہیں
نیک نامی میں نہ آئے گا خلل تا قیامت رہے گا حسن عمل

مثنوی آب وسراب [1]

مثنوی ''آب وسراب'' اردو کے مشہور شاعر جمیل مظہری کی شاہ کار تخلیق ہے۔ علامہ وحشتؔ، بیخود کلکتویؔ، پرویز شاہدیؔ کے ہم عصر شعرا میں جمیل مظہری ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ نظم کے علاوہ

---

[1] یہ مثنوی مکمل صورت میں پہلے پہل ۱۹۶۳ء میں انجمن ترقی اردو کے رسالے ''اردو ادب'' کے تخلیق نمبر میں شائع ہوئی تھی۔

نثر کے میدان میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ان کے شعری مجموعے ''فکر جمیل'' اور ''نقش جمیل'' شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ان کے علاوہ ''آب وسراب'' ان کی ایک طویل مثنوی ہے جو پانچ سو سے زائد ابیات پر مشتمل ہے۔۱۹۷۰ء میں یہ مثنوی کتابی صورت میں منظر عام پر آئی۔جمیل مظہری نے عام روایت سے ہٹ کر اس مثنوی کی تخلیق کی۔ داستان یا واقعات بیان کرنے کے بجائے انہوں نے اس مثنوی کا موضوع بے ثباتیِ دنیا رکھا اور انتہائی فلسفیانہ انداز میں ناپائیداریِ عالم کا ذکر کیا ہے۔ڈاکٹر مظہر امام کے مطابق:

> ''یہ مثنوی جمیل مظہری کی فلسفیانہ تشکیب بندی کی تفہیم کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔یہ ان کے تخلیق ذہن کا ہی اشاریہ نہیں، بلکہ عصری ذہن کا آئینہ بھی ہے۔ انہوں نے حد درجہ دل نشیں، بے تکلف شاعرانہ اسلوب میں حیات و کائنات کے متنوع مسائل کی گرہ کشائی کی ہے۔''

(مظہر امام: جمیل مظہری ص:۶۴)

فکری مثنویوں میں ''آب وسراب'' کو بلند مقام حاصل ہے۔اردو فلسفیانہ نظموں میں ''آب وسراب'' سرفہرست ہے۔ڈاکٹر محمد حسن اس مثنوی پر اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> ''اس مثنوی کے شعری سرمائے میں سب سے اہم مرتبہ جمیل مظہری کی مثنوی 'آب و سراب' کو حاصل ہے جو نہ صرف شاعر کا اہم ترین سرمایہ ہے بلکہ اس دہائی کی بھی اہم ترین تخلیق ہے۔موضوع ہے عرفان حقیقت اور اس فلسفیانہ جستجو کا ماخذ انسان، جن جن فلسفوں، عقیدوں، مذہبوں، فکری پناہ گاہوں سے حقیقت کے سوتے تلاش کرتا ہے۔پھر انسان کے سارے اضطراب کا حل انسان کی خود شناسی میں دریافت کر کے مثنوی کو ایک نئی فکری سطح بخشی گئی ہے۔انسان کی الوہیت کا یہ رجز اردو شاعری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔''

(بحوالہ جمیل مظہری از: مظہر امام)

مثنوی جہنم سے

جمیل مظہری کی یہ مثنوی بھی خوب ہے۔ چوں کہ اس کی اشاعت ۱۹۷۲ء میں جمشید پور کے ایک رسالہ ''ترسیل'' میں ہوئی تھی، اس لیے یہ عام لوگوں کی نظر سے نہیں گزری۔اس مثنوی کے مطالعے سے جمیل مظہری کی فکری پختگی کا پتہ چلتا ہے۔اسلوب کی شگفتگی اور روانی کی وجہ سے اس مثنوی کا اپنا ایک مقام ہے۔مثنوی ''جہنم سے'' میں شاعر نے نئے زاویۂ فکر کا استعمال کیا ہے۔اس مثنوی کا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے۔

میّت کا لختِ جگر زندہ باد

خداوندِ نظر دگر زندہ باد

مثنوی کلکتہ

کلکتہ کے علمی، تعلیمی اور ادبی حلقوں میں ''نساخ سے وحشت تک'' کے مصنف سیّد عبداللطیف الرحمٰن کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔اپنی خوش اخلاقی 'ادب شناسی' نکتہ سنجی اور بالغ نظری جیسی صفات کی وجہ سے وہ تقریباً ہر حلقے میں محترم رہے۔وہ مدرسہ عالیہ میں معلم تھے اور اردو فارسی کی زبردست صلاحیت رکھتے تھے۔اپنی معرکتہ الآرا کتابوں ''تجلیات شعرستان فارسی''، ''غالب اور ان کے ناقدین'' اور ''اقبال کا ذکر وفکر'' کی وجہ سے وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔لطیف الرحمٰن نثر کے علاوہ شعر وشاعری کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور گاہے گاہے اشعار بھی کہہ لیا کرتے تھے۔اپنے شعری ذوق کی تسکین کے لیے انہوں نے ایک مثنوی بعنوان ''مثنوی کلکتہ'' لکھی۔جو ۴۸ صفحات پر محیط ہے اور اس میں سات سو اشعار ہیں۔یہ اشعار کلکتہ کی سماجی، معاشرتی اور اقتصادی حالات کو سمجھنے میں کافی مدد بہم پہنچاتے ہیں۔کلکتہ کی تاریخ جاننے کے لیے یہ بہت کار آمد ثابت ہوتی ہے۔جس زمانے میں یہ شائع ہوئی تھی اس کا خوب چرچا ہوا تھا اور ارباب علم وادب نے اسے کافی پسند کیا تھا۔

سیّد صاحب نے اس مثنوی میں واقعہ نگاری کی صلاحیت کا اچھا ثبوت پیش کیا ہے۔

مثنوی کے عنوانات یہ ہیں: ''مثنوی گو کا تعارف''، ''حرف آغاز (منظوم)''، ''آغازِ مثنوی''، ''پس منظر''، ''تعمیر کلکتہ''، ''سیر کلکتہ''، ''صورت احوال''، ''موجودہ خطاب''، '' کلکتے کا رنگ ڈھنگ'' اس مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

شہید مینار کا سین[1]

شہر کلکتہ ہمارا ہے جلوسوں کا نگر
دامن مینار سنگم ہے جلوسوں کا مگر

اجتماؤں کی جگہ ہے خود نماؤں کی جگہ
بولنے والے سیاسی مور ماؤں کی جگہ

روز جلسوں کے تماشے دیکھتے ہیں ہم یہاں
روز آتا ہے نظر آتش بیانوں کا سماں

سامعوں کے سامنے ہوتا ہے لفاظی کا گیم
شور زندہ باد کا ہے دمبدم ہے شیم شیم

دامن مینار اپنی جلسہ داری سے جناب
بن گیا تاریخ کلکتہ کا روشن ایک باب

بیچتے ہیں اس جگہ آکر حکیمانِ زماں
تیل سانڈے کا وہ خالص کیف آور گولیاں

حال کرتے ہیں بیاں وہ کھول کر ایسا جناب
جنس کا عالم نظر آتا ہے پورا بے حجاب

آج کا دور مشینی دور ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں تیزی کے ساتھ تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ سب کو تنگیِ وقت دامن گیر ہے۔ ایسے میں ہر شخص طویل کام سے پرہیز کرتا ہے۔ ادب بھی رفتہ رفتہ سہل پسند لوگوں کے ہاتھوں میں سمٹتا جا رہا ہے۔ اردو کے مختلف اصناف سخن اپنی ہیت بدلتے جا رہے ہیں۔ مثنوی تو دور اب غزلوں اور نظموں کا اندازہ اور سائز بھی بدل رہا ہے۔ ادب میں نئی نئی جدت پیدا کی جا رہی ہے۔ نئے تجربات کیے جا رہے ہیں۔ اب تو ہائیکو اور ماہیے کا دور ہے جنھیں لکھنے اور پڑھنے میں بہت کم وقت صرف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مثنوی لکھنا نہ صرف وقت طلب ہے بلکہ دقت طلب بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مثنوی لکھنے کا رواج بتدریج کم ہوتا جا رہا ہے۔ صرف بنگال ہی نہیں بلکہ تمام ہندوستان میں مثنوی نگاری کا یہی حال ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ مثنویاں بالکل نہیں لکھی جا رہی ہیں۔ البتہ بنگال کے موجودہ شعرا میں کسی نے بھی اس طرف توجہ

---

1 سیّد ابن عزیز: سیّد لطیف الرحمٰن : حیات و تخلیقات ص: ۱۷

نہیں دی۔ چنان چہ جمیل مظہری کی مثنوی ''آب وسراب'' کے بعد بنگال میں کوئی مثنوی تادم تحریر نہیں لکھی گئی۔ البتہ پرانی مثنویوں کی تدوین ضرور ہوئی ہے اور اس کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ لہٰذا یہ کہنا مناسب ہوگا کہ مغربی بنگال میں مثنوی نگاری کی رفتار سست پڑ گئی ہے۔

بہر حال اس صوبے میں اب تک جتنی بھی مثنویاں لکھی گئی ہیں وہ اردو مثنوی کے سفر میں نوائے جرس کی اہمیت رکھتی ہیں۔ ہوسکتا ہے آنی والی نسلیں ایک بار پھر اردو کے اس محبوب صنف سخن کو زندہ وتابندہ کرنے میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکیں اور اپنے اسلاف کے ادبی کارناموں کی صحیح امین بن سکیں۔

❖❖❖

باب دوئم

حیاتِ مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق

مہاراجہ کلیان سنگھ تہور جنگ کا تعلق شاہ جہاں آباد (دہلی) کے ایک نامور اور باوقار سکسینہ کائستھ خاندان سے تھا۔ وہ خاندانی اعتبار سے ایک ''موقر ہستی اور عمدہ زادگانِ ہند'' میں سے تھے۔ ان کا خاندان صدیوں سے دہلی دربار اور بڑے بڑے روسا و امرا سے وابستہ رہا۔ ہندوستان میں لکھے گئے تذکرے کی کتابوں اور خود مہاراجہ کی مشہور تصنیف ''خلاصۃ التواریخ'' کے مطالعہ سے ان کے حسب نسب اور خاندانی شجرہ سے متعلق معلومات کا دائرہ ان کے پردادا تارا چند سے آگے نہیں بڑھتا مگر راقم السطور نے انتہائی تلاش و جستجو کے بعد موصوف کی ایک گم نام تصنیف مسمّٰی بہ ''عجائب الواردات'' ڈھونڈ نکالی جو برلن کی ایک پرائیویٹ لائبریری میں پڑی زمانے کی بے اعتنائی اور ستم ظریفی نیز اپنی شومیِ تقدیر کا رونا رو رہی تھی۔ مہاراجہ موصوف نے اپنی اس خودنوشت، جس میں زیادہ تر ان کے والد بزرگوار مہاراجہ شتاب رائے کی سیاسی خدمات درج ہیں، اپنی پیدائش کا دلچسپ حال، سنہ پیدائش اور خاندانی شجرہ درج کیا ہے۔ اپنے اسلاف و خاندان سے متعلق فرماتے ہیں:

> ''ممتاز الملک امیر الدولہ مہاراجہ شتاب رائے بہادر منصور جنگ بن راجہ ہمت سنگھ بہادر (دیوان وزیر الملک اعتماد الدولہ قمر الدین خان حسن بہادر جنگ وزیر محمد شاہ بادشاہ) بن راجہ تارا چند بہادر (نائب وزیر الملک حمدۃ الملک اسد خان بہادر ظفر جنگ وکیل مطلق وزیر حضرت اورنگ زیب

عالم گیر بادشاه) بن راجه گو بندداس بهادر (دیوان نواب آصف الملك دستور اعظم اسلام الدوله سعد الله خان بهادر نصیر جنگ وزیر شاهجهاں بادشاه صاحب قرآن) بن کنور کشور بهادر (نائب راجه ٹوڈر مل دیوان خالصه که در عهد جلال الدین اکبر بادشاه بود) بن راؤ پرتاپ بهادر (دیوان خالصه در عهد همایون بادشاه) بود و بعد از شکست خوردن همایون بادشاه از شیر شاه همراه بادشاه به ایران رفت و باز همرکاب همایون بادشاه به هند آمد، صوبه دار صوبه مالوه گشت۔"

(عجائب الواردات (فوٹو کاپی، برلن لائبریری) مولفہ: کلیان سنگھ فولیو ۱۰ تا ۱۱)

اس طرح مہاراجہ کلیان سنگھ کا خاندانی شجرہ یوں ہوا۔

راؤ پرتاب بہادر

↓

کنور کشور بہادر

↓

مہاراجہ منوہر بہادر

↓

راجہ گو بنداس بہادر

↓

راجہ تارا چند

↓

راجہ ہمت سنگھ بہادر

↓ ↓

مہاراجہ شتاب رائے — راجہ مہتاب رائے

↓ ↓

مہاراجہ کلیان سنگھ — راجہ بھوانی سنگھ

مہاراجہ کلیان سنگھ کے مذکورہ بالا خاندانی شجرہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے خاندان کا ہر فرد خاندانِ مغلیہ کا نمک خوار تھا اور شہنشاہ ہمایوں سے شاہ عالم ثانی کے دور تک حقِ نمک ادا کرتا رہا۔ شاہی خاندان سے قریبی تعلقات رکھنے اور دربار مغلیہ میں اثر و رسوخ ہونے کی وجہ سے مہاراجہ کا خاندان دہلی کے نہایت پُر وقار، معتمد اور معروف خاندانوں میں شمار ہوتا تھا۔

مولد و سنہ ولادت

سوائے فصیح الدین بلخی کے تمام تذکرہ نگاروں نے کلیان سنگھ کو شاہ جہاں آبادی (دہلوی الاصل) بتایا ہے۔ خود کلیان سنگھ کی خود نوشت اس قول کی تائید کرتی ہے۔ پتہ نہیں فصیح الدین صاحب نے کیسے ان کی جائے پیدائش عظیم آباد قرار دے دی۔ یہ ضرور ہے کہ کلیان سنگھ کی زندگی کا زیادہ تر اور قیمتی حصہ عظیم آباد میں گزرا کیوں کہ ان کے والد شتاب رائے دہلی سے آکر یہیں بس گئے تھے۔ شاید فصیح الدین صاحب کو اسی بات کا دھوکا ہوا اور انہوں نے تحقیق کیے بغیر ان کی جائے پیدائش عظیم آباد ٹھہرا دی۔ بہر حال ان کا یہ قول تو خود مہاراجہ موصوف کے بیان ...... در دارالخلافہ شاہ جہاں آباد فرزند سعادت مند تولد گشت" کی روشنی میں القط ہو جاتا ہے۔

کلیان سنگھ کی تاریخِ ولادت کے سلسلے میں ہم عصر تذکرہ نگار بالکل خاموش ہیں۔ عہد حاضر کے ادیبوں نے ان کی جو تاریخ پیدائش لکھی ہے وہ خود مہاراجہ کی خود نوشت "عجائب الواردات" کی روشنی میں رَد ہو جاتی ہے۔ فصیح الدین مرحوم مولفہ "تاریخ شعرائے بہار" ان کا سنہ ولادت ۱۱۶۵ھ لکھتے ہیں۔ اختر اورینوی اپنی تحقیقی کتاب "بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا" میں اس قول کی تائید کرتے ہیں۔ مرحوم پروفیسر حسن عسکری نے بھی، جنہوں نے سب سے پہلے مہاراجہ موصوف کی چند تصنیفات کا پتہ چلایا تھا اور ان پر ایک بسیط و پُر مغز مضمون بعنوان "بہار کے آخری ہندوستانی گورنر" (مطبوعہ "ندیم" بہار ۱۹۴۱ء) سپرد قلم کیا تھا، مہاراجہ کا سنہ ولادت ۱۱۶۵ھ رقم کیا ہے۔ پروفیسر موصوف

نے مہاراجہ کی تاریخ پیدائش خود کلیان سنگھ کی ہی ایک تصنیف ''تاریخ زیبا'' کے حوالے سے لکھی ہے۔ یہ تقریباً آٹھ ہزار ابیات پر مشتمل فارسی میں ایک مثنوی ہے اور جسے انہوں نے اپنے تیسرے بیٹے مسمّٰی کنور حشمت سنگھ عرف راجہ ڈھولن کی لیے جو ایک اور بیگم کے بطن سے تھے، اپنے قیامِ کلکتہ کے زمانے میں نابینا ہونے کے بعد لکھوائی تھی۔ اس تصنیف کے تتمہ میں مہاراجہ کلیان سنگھ فرماتے ہیں:

تمام ابن مثنوی شد در دو سه ماه	شد آخر داستان الحمد الله
تمامی داستان چون کردم انشاء	نهادم نام او تاریخ زیبا
گذشت از عمرم اکنوں و شش سال	بود ضعف ونقاهت عائد حال

یہ کتاب ۲۵ر ذی الحجہ ۱۲۳۱ھ بمطابق ۱۸۱۵ء کو بمقام چیت پور کلکتہ اختتام کو پہنچی۔ ''تاریخِ زیبا'' کے الفاظ سے بھی یہی سال ۱۲۳۱ھ (مطابق ۱۸۱۵ء) نکلتا ہے چنان چہ اس حساب سے مہاراجہ کا سال پیدائش (۶۶-۱۲۳۱) ۱۱۶۵ھ قرار پاتا ہے مگر ان کا یہ سنہ پیدائش خود ان کی کتاب ''عجائب الواردات'' کی روشنی میں غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ مہاراجہ اپنے سنہ ولادت کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

''بروز پنجشنبه پانژدہم رجب المرجب سنه یکهزار و یکصد شصست و دو ہجری......در دار الخلافه شاه جهان آباد فرزند سعادت مند تولد گشت۔''

(''عجائب الواردات'' مولفہ: کلیان سنگھ فولیو ۱۱۴۹-الف)

لہٰذا یہی تاریخ پیدائش یعنی ۱۵ر رجب المرجب ۱۱۶۲ھ بمطابق ۱۷۴۹ء صحیح قرار پاتی ہے۔

پیدائش کا دلچسپ حال

کلیان سنگھ نے اپنی کتاب ''عجائب الواردات'' میں اپنی پیدائش کا بڑا دلچسپ قصہ بیان کیا ہے۔ ان کی پیدائش سے متعلق ان کی خاندانی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ

ان کے والد مہاراجہ شتاب رائے کو رانی سے (جو ان کی کفو کی تھیں) بہت دنوں تک کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ بعد میں اگر کوئی اولاد ہوئی بھی تو وہ ایک یا دو سال سے زیادہ عرصہ تک باحیات نہیں رہ سکی۔ اولاد کا زندہ نہیں بچنا شتاب رائے کے لیے فکر و تردو کی بات تھی لہٰذا مایوس ہو کر انہوں نے اس وقت کے مشہور صوفی حضرت سیّد محمد علی کے یہاں حاضری دی اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بزرگ نے ان کی باتیں غور سے سنیں اور ان کو تسلی دی اور انہیں حضرت امام حسینؓ کو خراج عقیدت پیش کرنے اور رسم تعزیہ داری ادا کرنے کی تلقین کی۔ شتاب رائے نے ان کے مشورے پر عمل کیا۔

اس کے بعد بزرگ نے ان کو تھوڑی سی خاک دی اور ہدایت کی کہ میاں بیوی دونوں غسل اور وضو کر کے اس خاک کو بطور دوا استعمال کریں اور انواع و اقسام کے لذیذ کھانے کھائیں۔ موصوف نے خود شتاب رائے کے لیے اللہ سے دعا مانگی کہ وہ مہاراجہ موصوف کو ایک چاند سا ہونہار بیٹا عطا فرمائے۔ ایک سال بعد دریائے رحمت جوش میں آیا اور قدرت نے رانی (بیگم شتاب رائے) پر فضل و کرم کیا اور یکے بعد دیگر دو فرزند کلیان سنگھ اور بھوانی سنگھ عطا کیے۔ کلیان سنگھ کی پیدائش کے وقت شتاب رائے کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا لہٰذا انہوں نے اپنے بیٹے کا جشنِ پیدائش چالیس دنوں تک نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منایا اور غربا و فقرا میں خیرات تقسیم کی۔ کلیان سنگھ کی پیدائش بابرکات و سعادت کے فوراً بعد ہی شتاب رائے کی ترقی پر ترقی ہونے لگی۔

ہمیں دوسرے ذرائع سے واقفیت ہوتی ہے کہ کلیان سنگھ کی ولادت کے قبل شتاب رائے کی غیر کفو کی بیوی چندا بائی نے جو خود بھی لاولد تھی، ایک لڑکے مسمّٰی خوشحال سنگھ کو گود لیا تھا جس کی پرورش نہایت ناز و نعم میں ہو رہی تھی۔ بعد میں چندا بائی پر بھی فضل ربی ہوا اور اس نے بھی ایک بچے کو جنم دیا جس کا نام بسنت رائے رکھا گیا۔ یہ قدرت کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ بسنت رائے کا سلسلہ نسب و خاندان تو جاری رہا لیکن کلیان سنگھ اور بھوانی سنگھ کا سلسلۂ نسب منقطع ہو گیا جو شتاب رائے کے حقیقی جانشیں اور وارث تھے۔

عہد طفولیت

مہاراجہ کلیان سنگھ کے عہد طفولیت سے متعلق مواد کا فقدان ہے۔ ان کے بچپن کا زمانہ کہاں اور کیسے گزرا، اس کے متعلق تمام تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ خود مہاراجہ موصوف نے اپنی کتاب ''عجائب الواردات'' میں اس کی تفصیل پیش کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے لیکن ان کے خاندانی مرتبے اور روایت کی روشنی میں بلا تامل یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا بچپن نہایت ناز و نعم میں گزرا ہوگا۔ چوں کہ معاشی طور پر ان کا گھرانہ بہت خوش حال تھا اس لیے عیش و عشرت اور آرام و آسائش کے تمام سامان مہیا ہوں گے۔ ان کا اپنا قول ہے کہ ابھی ان کا عہد طفولیت ہی تھا یعنی مشکل سے وہ دو سال کے تھے کہ ان کے والد شتاب رائے کو غازی الدین عماد الملک نے صمصام الدولہ دوئم میر آتش کا نائب مقرر کر دیا اور چند سال بعد غالباً ۱۱۷۱ھ میں بادشاہ وزیر عماد الملک کی طرف سے راجہ شتاب رائے کو دیوان خالصہ شریف بہار اور صمصام الدولہ کی جاگیرات بہار و بنگال کی دیکھ بھال کی خدمت تفویض ہوئی۔ کلیان سنگھ چوں کہ اس وقت کم سن تھے اس لیے شتاب رائے ان کو اپنے ہم راہ بہار نہ لے جا سکے لہٰذا انہیں مجبوراً اپنے لختِ جگر کو عماد الملک کے حضور دہلی ہی میں چھوڑ کر تنہا عظیم آباد جانا پڑا۔ چوں کہ اس وقت عظیم آباد میں سیاسی حالات ٹھیک نہیں تھے، اس لیے کچھ سال تک کلیان سنگھ کو دہلی میں ہی رہنا پڑا جہاں وہ اپنے بیان کے مطابق اس عمر میں بھی اپنے والد کی نمائندگی کرتے رہے۔ بعد میں جب فضا سازگار ہوئی اور حالات تشفی بخش ہوئے تو مہاراجہ شتاب رائے نے ان کو دہلی سے عظیم آباد بلوا لیا۔ ہم عصر مؤرخین اور کیلنڈر آف پرشین کورسپونڈینس کے مطابق شتاب رائے بعد میں عظیم آباد سے نکل کر شجاع الدولہ کے ملازم ہوئے۔ کلیان سنگھ اپنی مشہور تصنیف ''خلاصۃ التواریخ'' میں رقم طراز ہیں کہ جب ان کا خاندان اپنی جان اور مال کی حفاظت کے خیال سے اودھ پہنچا تو اس وقت ان کی عمر آٹھ یا نو سال کی تھی۔ نواب وزیر الملک شجاع الدولہ نے ان کو چار ہزار روپے تنخواہ پر دو ہزار سوار اور پیادوں کا رسالہ دار مقرر

کیا۔ عقل کسی طرح اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ اس کم سنی میں کلیان سنگھ کو ایسی ذمہ داری کا عہدہ ملا ہوگا۔ حالاں کہ اس وقت تک ان کے والد شجاع الدولہ کے دربار سے منسلک بھی نہیں ہوئے تھے۔ بہر حال اگران کا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں ہے، تو یہ سمجھنا ہوگا کہ مہاراجہ موصوف کے بچپن کے ایامِ اودھ میں بھی گزرے ہوں گے۔ چوں کہ وہ دور سیاسی ابتری کا دور تھا، لوگوں کی زندگی سے امن و سکون یکسر ختم ہو گئے تھے۔ تغیر و انقلاب زمانہ کے سبب سب کے ذہن و دماغ ماؤف ہو چلے تھے، ملک و قوم کا شیرازہ بکھر رہا تھا جس سے فائدہ اٹھا کر غیر ملکی قومیں یہاں اپنے اقتدار و قوت کا سکہ جمانے کی کوششوں میں شب و روز مصروف تھیں، اور رفتہ رفتہ پورے ملک کو اپنی مضبوط گرفت اور شکنجے میں لے رہی تھیں اس لیے ایسی فضا میں کلیان سنگھ کا بچپن کھیل کود اور لہو ولعب سے یکسر پاک رہا ہوگا۔ کم سنی ہی میں ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہو چکی تھیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ عام بچوں کی طرح ان کی طبیعت میں کھلنڈرا پن اور شوخی نام کو نہ ہوگی اور اس عمر میں عقل و فہم، دور اندیشی اور صبر و استقلال ان میں کوٹ کوٹ کر بھر گئے ہوں گے۔

تعلیم و تربیت

جہاں تک مہاراجہ موصوف کی تعلیم و تربیت کا سوال ہے، افسوس ہے کہ اس ضمن میں بھی تمام اہم عصر تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ کسی نے بھی یہ لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ اس عظیم شخصیت کی تعلیم و تربیت کہاں اور کس حد تک ہوئی اور اس کے استاد کون تھے۔ ہاں البتہ پروفیسر حسن عسکری صاحب نے چند جملوں میں، اس سلسلے کی کچھ جامع باتیں رقم کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :

> ”جس شخص کا خاندان دربار دہلی سے منسلک اور امرائے عظیم الشان سے عرصہ دراز تک متوسل رہا ہو، جس کے فضل و کمالِ حکیمانہ کی نہ صرف اس کی تصانیف نظم و نثر بلکہ فقیر خیر الدین جیسا فاضل ہم عصر مؤرخ بھی شہادت دے اور جو شتاب رائے

ایسے شفیق باپ کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھا ہو، اس کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کی تحقیق و تفتیش تحصیل حاصل ہے۔"

("صوبہ بہار کے آخری ہندوستانی گورنر" مطبوعہ "ندیم" بہار نمبر ۱۹۴۰ء)

مہاراجہ کی تعلیم و تربیت کا حال آج بھی پردۂ خفا میں رہتا اگر راقم السطور کو مہاراجہ کی ایک گم نام کتاب "عجائب الواردات" کا پتہ نہ چلتا جو برلن لائبریری کے ایک گوشے میں پڑی بے التفاقی زمانہ کا رونا رو رہی تھی۔ اپنی اس تصنیف میں مہاراجہ اپنی تعلیم سے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

"چوں سن چہار سالگی رسید به استادان دانشور سپرد۔ ان سعادتمند از کمال استعداد دانی و فطرت اصلی در سن دواز دو سالگی از جمیع علوم و فنون ماہر و فارغ التحصیل گوید۔ چنان چہ ہیچ علمی نیست کہ ان صاحب فطرت آنرا معلوم نکردہ باشد۔"

("عجائب الواردات" مولفہ: کلیان سنگھ ص: ۴۸ الف)

یعنی چار سال کی عمر میں ہی ان کے والد نے ان کو شاہ جہاں آباد کے مشہور اساتذہ کرام کے سپرد کر دیا تھا۔ اپنی غیر معمولی ذہانت و صلاحیت کی بدولت انہوں نے مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل کیا اور یکتائے روزگار بن گئے۔ بارہ سال کی عمر میں انہوں نے رائج الوقت زبانوں عربی اور فارسی میں بھی کافی صلاحیت و استعداد پیدا کر لی۔ مشہور مفکر و عالم دین فقیر خیر الدین نے کلیان سنگھ سے عظیم آباد (پٹنہ) میں ملاقات کی تھی اور ان سے علمی، مذہبی و ادبی امور پر بحث و مباحثہ کر کے کافی متاثر ہوئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ مہاراجہ کو حدیث، فقہ، قرآنی تنقیدات اور دیگر اسلامی علوم و فنون پر کافی قدرت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ کلیان سنگھ نے ایک نظم میں اپنی تعلیمی استعداد کا اس طرح ذکر کیا ہے:

مرا حکیم از علوم داد سبق — زصرف نحو ریاضی و حکمت و منطق

حدیث فقہہ و بیان معنی و تشریح — نجوم و طب وطبعی الٰہیات ادق

حساب و ہندسہ ہیت مناظرہ آموخت — زہر کتاب بد ستم سپرد چند ورق

شدم معلم وقت از کمال استعداد — تمام علوم نمودم بشاعری مشتق

اگر مہاراجہ موصوف نے اس نظم میں مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کو نجوم، طب، طبعی الٰہیات، علم ریاضی و ہندسہ، صرف، نحو، حکومت اور منطق پر عبور حاصل تھا اور ان رائج الوقت علوم کو انہوں نے اپنی شاعری میں خوب استعمال کیا۔ ذہنی بلوغ کے مختلف مرحلے انہوں نے اپنے والد شتاب رائے کی زیرِ ترتیب اور اس وقت کے نامور شعرا و ادبا کی صحبت میں طے کیے۔

بقول سر سیّد احمد خان اردو زبان کو شاہ جہاں آباد سے ایسی ہی نسبت ہے جیسی فارسی کو شیراز سے یعنی یہاں کے لوگوں کی زبان تمام اردو بولنے والوں کے لیے سند ہے اور کلیان سنگھ کا تعلق شاہ جہاں آباد سے ہی ہے۔ اردو، فارسی اور عربی پر عبور حاصل ہونے کے علاوہ مہاراجہ موصوف کو انگریزی کی بھی شد بد تھی مگر ان کی انگریزی کی صلاحیت کا ذکر کسی کتاب میں نہیں ملتا۔

شادی

کلیان سنگھ کی شادی اور ازدواجی زندگی سے متعلق وثوق کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس لیے کہ نہ تو کسی تذکرہ نگار نے اور نہ ہی خود مہاراجہ نے اس سلسلے میں کہیں کچھ لکھا ہے۔ البتہ کیلنڈر آف پرشین کورسپونڈنس اور دیگر حوالوں کی روشنی میں ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ان کی شادی عظیم آباد میں اپنی ہی ذات کی ایک لڑکی سے ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک شیعہ مسلم لڑکی سے بھی ان کے جنسی تعلقات قائم تھے جس کا چرچا آج بھی ان کے خاندان کے افراد میں کیا جاتا ہے۔

اولاد

قدرت نے مہاراجہ کلیان سنگھ کو تین بیٹے عطا کیے تھے۔ کنور دولت سنگھ ان کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے جو ان کی کفو کی بیوی کے بطن سے تھے۔ ان کی مسلم داشتہ عورت کے بطن سے بھی ایک لڑکا مسمّٰی کنور حشمت سنگھ المعروف راجہ ڈھولن پیدا ہوا، جس کی خاطر انہوں نے آٹھ ہزار ابیات پر مشتمل فارسی میں ایک مثنوی مسمّٰی ''تاریخِ زیبا'' لکھی۔ کلینڈر آف پرشین کورسپونڈینس میں بے شمار حوالے موجود ہیں کہ مہاراجہ کے تعلقات اپنے بڑے لڑکے کنور دولت سنگھ سے کبھی خوش گوار نہیں رہے جس کی وجہ سے کنور دولت سنگھ کو ۱۱۸۹ فصلی (۱۷۸۲ء) میں مجبوراً گھر چھوڑنا پڑا۔ بعد میں دونوں کے درمیان کشیدگی میں اتنا اضافہ ہو گیا کہ دولت سنگھ کو اپنی والدہ اور اپنے جیب خرچ کے لیے مہاراجہ کے خلاف اعلیٰ حکام کے یہاں نالش تک کرنا پڑی۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود مہاراجہ کو اپنے اس باغی بیٹے سے نفرت نہیں ہوئی۔ وہ اس سے محبت کرتے رہے جس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ جب دولت سنگھ نے ان کی مرضی کے خلاف اپنی شادی رچائی اور ان کو آگاہ تک نہیں کیا تو مہاراجہ نے بجائے بُرا ماننے اور خفا ہونے کے ان کو مبارک بادی کا پیغام ارسال کیا اور بہت ساری دعائیں دیں۔

مہاراجہ کی تیسری اولاد کا نام عمدہ سنگھ تھا جن کا ذکر تذکروں میں نہیں ملتا۔ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس کے بطن سے تھے۔ اس بات کا انکشاف جناب جی. این. سکسینہ نے کیا جو مہاراجہ موصوف کے حقیقی چچا مہتاب رائے کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق عمدہ سنگھ اپنے والد کے ساتھ کلکتہ ہی میں رہتے تھے۔ پتہ نہیں کیوں انگریزوں نے ان کو کینیڈا بھیج دیا جہاں سے وہ واپس نہیں آئے اور وہیں انتقال کیا۔

مذہب و عقیدہ

کلیان سنگھ پیدائشی ہندو اور نسلاً کائستھ تھے مگر چوں کہ ان کی پرورش و پرداخت بالکل اسلامی ماحول میں ہوئی تھی اس لیے اسلامی تہذیب و تمدن نے ان کے دل و دماغ

پر گہرا اثر مرتب کیا تھا۔ وہ عقائد کے لحاظ سے صوفی منش اور موحد تھے۔ اسلامی تعلیم نے ان کو اسلام سے بالکل قریب کر دیا تھا۔ انہوں نے قرآن پاک کی چند آیات کی جو منظوم تفسیر لکھی ہے وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلامیات میں ان کو کافی دخل تھا۔ تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے ان کو حضرت محمدؐ اور ان کے خانوادہ مطہر کا شیدائی بتایا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے بیش تر قصائد حضرت محمدؐ کی شانِ مبارک اور ائمہ و بزرگانِ دین کی مدح میں لکھے ہیں۔ مصنف ''تذکرۂ مسرت افزا'' ان کے عقائد کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''رسول اور اہلِ بیت سے فطری محبت ہے۔ ہر وقت امیرالمومنین کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور اپنے کو مومنین اور خاندان رسالت کے فدائیوں میں شمار کرتے ہیں اور کفار اور بت پرستوں پر لعنت اور ملامت کرتے ہیں اور ان گمراہ گروہوں کے اقوال پر لعن طعن کرتے ہیں ان کے اکثر معتبر مصاحبوں سے معلوم ہوا ہے کہ پنج گانہ نماز ادا کرتے ہیں اور رمضان میں روزے رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ اگر یہ سب باتیں درست ہیں تو کیا کہنا۔ خدا اور توفیق حسنات عطا فرمائے اور اگر شاعرانہ مبالغہ ہے تو افواہ حقیقت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔''

(''مسرت افزا'' مرتبہ قاضی عبدالودود معاصر جلد دوم حصہ)

> ''وہ شیعوں کے عقائد کے حامی تھے۔ حضرت حسن و حسین کی یوم شہادت پر تعزیہ داری کرتے اور اپنے باپ کی طرح محرم کی دسویں تاریخ کو کھیر اور کھچڑا نہایت اہتمام، خوش اسلوبی اور صفائی سے تیار کروا کر اس پر فاتحہ پڑھتے اور سارے شہر میں تقسیم کرواتے تھے۔''

(''سیر المتاخرین'' مولفہ غلام حسین طبا طبائی، خلاصۃ التواریخ مولفہ کلیان سنگھ صفحہ: ۱۷۴)

مہاراجہ اپنے والد کی طرح جب بھی قسم کھاتے، باللہ اور واللہ استعمال کیا کرتے تھے۔ ان کی طرز رہائش ہند اسلامی تہذیب کی آئینہ دار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ صاحب ''سیر المتاخرین'' اور دیگر تذکرہ نگاروں نے ان کو شیعہ مسلم لکھا ہے جس کی تردید مہاراجہ کو اپنے ایک قصیدہ

میں کرنا پڑی۔ چنان چہ اپنے ایک قصیدہ کی ابتدا اس شعر سے کرتے ہیں:

کافرم ہندو نژادم
من سلیمانی نیستم

اپنے ایک دوسرے قصیدہ میں فرماتے ہیں جس کا مطلب یوں ہے:

"مجھے محمدؐ کے نئے دین سے کیا سروکار میں تو اپنے آبا واجداد کے قدیم مذہب کا پیرو ہوں۔"[1]

دونوں قصائد کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مہاراجہ موصوف نے اپنا مذہب ترک کر کے اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ اپنے مذہب کو، مذہب اسلام سے بھی زیادہ قدیم سمجھتے تھے۔ ان پر اسلام قبول کر لینے کا الزام عائد کرتے وقت ان کے ہم عصر مؤرخین کو جن باتوں کا اشتباہ ہوا تھا وہ ان کی اسلامی تہذیب تھی جو مدرسوں اور اسلامی ماحول نیز مسلم حکمرانوں اور نوابوں کی صحبت کی دین تھی۔ ہاں، اتنا ضرور ہے کہ مہاراجہ کو مذہب اسلام کافی پسند تھا اور وہ اپنی زندگی اسلامی طور طریقے سے گزارنا زیادہ پسند کرتے تھے۔

سیاسی کارنامے اور اعزاز و خلعت

کلیان سنگھ کے بیان کے مطابق ان کے والد مہاراجہ شتاب رائے کو غازی الدین عماد الملک نے تقریباً ۱۱۶۷ھ میں صمصام الدولہ دوم کا نائب مقرر کیا اور ۱۱۷۱ھ (بمطابق ۱۷۵۷ء) میں نواب سراج الدولہ کی وفات کے فوراً بعد ان کو بنگال و بہار صوبہ کے انتظام و بندوبست کے لیے دیوان خالصہ بھیج دیا۔ چوں کہ کلیان سنگھ اس وقت کم سن تھے اس لیے شتاب رائے کو مجبوراً انہیں عماد الملک کے ساتھ رہنا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی کی بساطِ سیاست پر عجیب چالیں چلی جا رہی تھیں۔ بیرونی حملوں نے دہلی کو تخت و تاراج

---

[1] یہ قصیدہ بہت دنوں تک پروفیسر غلام حسن عسکری، پٹنہ کے پاس موجود تھے۔ راقم الحروف کی فرمائش پر موصوف نے ان کی بہت تلاش کی، مگر وہ نہ مل سکے۔ موصوف کے بیان کے مطابق دونوں قصائد سلاست، روانی اور شیرینیت میں اپنی مثال آپ تھے۔

کر رکھا تھا۔ ہر طرف بدامنی اور افراتفری کا دور دورہ تھا۔ مکانات نذر آتش کیے جارہے تھے اور لوگوں کی زندگی خطرے میں پڑی ہوئی تھی۔ ایسی حالت میں شتاب رائے کے خاندان کو مجبوراً دہلی کو خیر باد کہہ کر اودھ اور الہ آباد کے نواب شجاع الدولہ کی حکومت میں پناہ لینا پڑی۔ ان کے بیٹے کلیان سنگھ نے نواب کے دربار میں ملازمت حاصل کرلی اور چار ہزار ماہوار تنخواہ پر دو ہزار پیادہ وسوار کے رسالہ دار مقرر ہوئے۔

مشہور مؤرخ کرم علی کا بیان ہے کہ ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۱ء) میں میر محمد قاسم جب شتاب رائے کا بدخواہ ہوگیا تو انہیں اپنی جان سلامت لے کر بہار کو خیر آباد کہنا پڑا اور وہیں پناہ لینا پڑی جہاں پہلے سے ہی ان کا بیٹا کلیان سنگھ پناہ گزین تھا۔ شتاب رائے کی صلاحیت، قابل سیاست دانی، عقل وفہم اور انگریزوں اور شہنشاہِ دہلی سے گہرے تعلقات سے متاثر ہوکر شجاع الدولہ نے ان کو بھی اپنے لشکر میں شامل کرلیا اور چار ہزار مشاہرہ پر دو ہزار سوار اور پیادوں کا رسالہ دار مقرر کردیا مگر کلیان سنگھ کے سلسلے میں عقل کسی طرح بھی اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ آٹھ نو سال کا لڑکا دو ہزار سوار اور پیادوں کا رسالہ دار اور چار ہزار روپے کا تنخواہ دار مقرر ہوجائے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب اس کے جہاں دیدہ اور دور اندیش باپ کی اسی دربار میں ملازمت کا آغاز اتنے ہی بلکہ اس سے کم رتبہ سے ہو۔ اس سرگزشت کی صحت سے قطع نظر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ مہاراجہ کلیان سنگھ کی سیاسی زندگی کا آغاز بچپن سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ بہر حال ان کے والد شتاب رائے نے آٹھ ماہ کی مختصر مدت میں اپنی بہترین انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرکے نواب کا دل جیت لیا۔ وہ بادشاہ اور نواب دونوں کی کرم فرمائیوں سے فیض یاب ہوئے اور بہت جلد ترقی حاصل کرلی۔ اس مدت کے دوران وہ کبھی بھی بنگال و بہار کے حالات سے غافل نہیں رہے بلکہ ہمیشہ کمپنی کے مفاد کو پیش نظر رکھا۔

۱۷۶۲ء میں شتاب رائے کو جب میر قاسم کے پٹنہ سے فرار ہونے اور کرمنا سا کے ساحل پر پناہ لینے کی خبر ملی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے فوراً اپنے ایک متصدی

سادھورام کی معرفت میر جعفر اور انگریزی سرکار کو اس کامیابی پر مبارک بادی کا پیغام ارسال کیا۔ میر جعفر اور صاحبانِ انگریز کے لیے یہ نہایت خوب صورت موقع تھا۔ ان کی ہمت بندھی اور انہوں نے میر قاسم کی اس حالت سے خوب فائدہ اُٹھایا اور مہاراجہ کلیان سنگھ کے مشورے پر سادھورام کی معرفت خطوط، درخواستیں اور چھ لاکھ کی ہنڈی بنام بادشاہ اور نواب شتاب رائے کے پاس بطور پیشگی بھیجے۔ شتاب رائے اس وقت الٰہ آباد میں مقیم تھے۔ جب سادھورام نے یہ دستاویزات مہاراجہ شتاب رائے کے حضور میں پیش کیں تو اس وقت مہاراجہ موصوف کی طبیعت ناساز تھی۔ لہٰذا انہوں نے تمام کاغذات اپنے کم سن مگر ہونہار لڑکے کلیان سنگھ کی معرفت نواب کے وزیر مہاراجہ بینی بہادر کے پاس بھیج دیے۔ کلیان سنگھ نے مہاراجہ بینی بہادر سے ملاقات کی۔ چوں کہ بینی بہادر پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لیے کلیان سنگھ نے خود حرف بہ حرف مضامین مکتوب پڑھ کر سنائے۔ کام کی اہمیت بیان کی اور کل امور کے حسن و قبح پر تشفی بخش گفتگو کی۔ ہر پہلو پر غور وخوص کے بعد مہاراجہ بینی بہادر مطمئن ہو گئے۔ کلیان سنگھ کے پُر اثر دلائل نے ان کو صاحبان انگریز اور میر جعفر کا بہی خواہ بنا ڈالا۔ بینی بہادر نے نہ صرف اپنی بھر پور مدد کا وعدہ کیا بلکہ اسی وقت کلیان سنگھ کو لے کر نواب وزیر کے خیمے کی طرف روانہ ہو گئے حالاں کہ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ خیمہ پہنچ کر انہوں نے کلیان سنگھ کو باہر رکنے کو کہا اور خود نواب وزیر سے ملاقات کرنے اندر پہنچ گئے۔ مسند کے پاس بیٹھ کر انہوں نے پہلے آہستہ آہستہ تقریباً آدھے گھنٹے تک نواب وزیر سے گفتگو کی اور جب ہر طرح سے مطمئن ہو گئے تو کلیان سنگھ کو ان کے حضور میں پیش کیا۔ کلیان سنگھ نہایت ادب و احترام کے ساتھ نواب حضور کے روبرو آئے۔ نواب وزیر نے پہلے ان کے والد کی خیر و عافیت پوچھی، پھر ان کا حال دریافت کیا اور ان کی درخواست قبول کر لینے کا مژدہ سنایا۔ نواب سے مختصر سی گفتگو کرنے کے بعد وہ اور بینی بہادر دونوں رخصت ہوئے۔ ابھی وہ کیمپ کے احاطے سے باہر بھی نہیں گئے تھے کہ نواب کا خواجہ سرا دوڑ آیا اور کلیان سنگھ کو واپس لے گیا جب کلیان سنگھ دوبارہ نواب کے

سامنے پہنچے تو نواب نے پیش قدمی کی۔ ان کی کمر بند سے تمام کاغذات خود اپنے ہاتھ سے نکالے اور ان میں سے چھ لاکھ کی ہنڈی لے کر اپنی جیب میں رکھ لی اور سادھو رام نے جو عرضی تیار کی تھی اس میں ہنڈی مذکور کی عبارت پر اپنے ہاتھ سے روشنائی انڈیل دی تاکہ بادشاہ کو اس ہنڈی کی خبر نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد نواب نے پھر دو گھنٹے تک کلیان سنگھ سے سیر حاصل گفتگو کی اور ان سے مختلف اُمور پر بحث و مباحثہ کیا۔ مہاراجہ موصوف نے بھی ان کے ہر سوال کا جواب نہایت خوش اخلاقی اور دانش مندی سے دیا اور اپنی چرب زبان سے نواب کو کافی متاثر کیا۔ بعد میں بینی بہادر بھی اس گفتگو میں شامل ہو گئے۔ نواب وزیر نے میر جعفر اور صاحبان انگریزی کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانے اور میر قاسم کو خارج کرنے کی تجویز قبول کر لی۔ یہی نہیں بلکہ اپنی بھرپور مدد اور تعاون کا وعدہ بھی کیا۔ نواب وزیر نے سیاسی امور میں کلیان سنگھ کے تجربات، ان کی صلاحیت اور زبان دانی کی بے حد تعریف کی مگر لگے ہاتھوں ان کو تنبیہ بھی کر دی کہ اگر اس صلح نامے کی خلاف ورزی کی گئی تو اس کی ساری ذمہ داری ان پر اور ان کے والد شتاب رائے پر عائد ہوگی اور دونوں ہی ان کے عتاب کے شکار ہوں گے۔ کلیان سنگھ نے اقرار نامہ اپنے خون سے لکھ کر ان کے حوالے کر دینے کی بات کہی۔ نواب وزیر نے مسکراتے ہوئے کہا ''اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' بینی بہادر کو جب اس صلح نامے کی خبر ملی تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ انہوں نے کلیان سنگھ کی معرفت شتاب رائے کو مبارک بادی کا پیغام ارسال کیا اور اپنی نیک خواہشات کا اظہار بھی کیا۔

ادھر شتاب رائے کو جب اپنے ہونہار فرزند کلیان سنگھ کی اس کارکردگی کی خبر ملی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ چوں کہ اس وقت تک وہ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو سکے تھے اس لیے دوسرے دن بھی کلیان سنگھ کو ہی بادشاہ وزیر کے پاس بھیجا تاکہ وہ بینی بہادر کی معرفت تمام معاملات طے کر لیں۔ کلیان سنگھ نے اس مرتبہ بھی اپنی استعداد و صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ وہ بادشاہ وزیر کے ساتھ تقریباً دو گھنٹے تک گفتگو کرتے رہے۔ بحث و تمحیص

کے بعد آخر کار تمام معاملات طے پا گئے جن کی رو سے میر جعفر کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کی صوبہ داری کی سند اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو صوبہ مذکور کی دیوانی عطا ہو گئی۔ اس کے بعد ضروری کاغذات، اسناد، عہد نامے اور جواب وعرائض منشیوں سے تیار کروا کر ان پر مہر ثبت کیے گئے۔ ان دستاویزات اور خلعت ہائے فاخرہ کو میر جعفر اور سرداران انگلشیہ تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی کلیان سنگھ کو ہی دی گئی۔ جب کلیان سنگھ نے ملازمت کا حوالہ دے کر معذرت چاہی تو نواب وزیر نے انہیں جانے کی نہ صرف اجازت دے دی بلکہ ان کو شتاب رائے کا نائب گردانتے ہوئے انہیں خلعت ہائے شش پارچہ شمشیر، پالکی جھالر دار، ایک زنجیر فیل اور نیز راجہ کا خطاب بھی عطا کیا۔

جب شتاب رائے تمام باتوں کی تفصیل سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے موقع غنیمت جانا اور کلیان سنگھ کو ہدایت کی کہ چوں کہ تمام معاملات دیوانی نہایت عمدگی سے ان ہی کے ہاتھوں پائے ہیں اس لیے بہتر ہے کہ وہ خود یہ سندیں اور عہد نامے، درخواستوں کے جوابات اور خطوط اور خلعت لے کر میر جعفر اور انگریز افسران کے پاس جائیں جو کرمناسا کی دوسری جانب خیمہ زن ہیں۔ مہاراجہ موصوف نے کلیان سنگھ کو یہ بھی ہدایت کی کہ وہ اس سنہری موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں اور وہ میر جعفر اور انگریزوں سے بھی ربط ضبط بڑھائیں تا کہ ان کی عزت وحرمت کی بنیاد وہاں بھی قائم ہو سکے۔ کلیان سنگھ کو نواب وزیر کی اجازت تو مل ہی چکی تھی۔ لہٰذا انہوں نے اپنے چچا مہتاب رائے کو اپنی جگہ پر نواب وزیر کی خدمت میں چھوڑ کر خود دو سو سوار اور تین سو پیادوں اور بہت سے خدام سمیت مشرق کی طرف روانہ ہو گئے۔ دو روز کی مسافت طے کرنے کے بعد بنارس پہنچے اور اپنے پرانے دوست راجہ بلوند سنگھ سے ملاقات کی اور وہیں شب گزاری اور ان سے میجر کارنگ کے نام خط لے کر دوسرے دن آگے روانہ ہو گئے۔ دو دن کے بعد جب وہ میر جعفر کے لشکر میں پہنچے تو سادھو رام نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ میجر کارنگ، میجر آرم، میجر فلیچر، نوکس اور دو تین دوسرے انگریز افسران نے تعظیماً اُٹھ کر ان سے مصافحہ

کیا اور ان سے نہایت گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے۔ جب میر جعفر، سادھو رام، انگریز افسران اور کلیان سنگھ کے علاوہ تمام دیگر حضرات رخصت ہو گئے تو کلیان سنگھ نے ان لوگوں کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ نواب وزیر کے حسن سلوک، بادشاہ اور بینی بہادر کے ساتھ ہونے والی تمام باتوں کا بالتفصیل ذکر کیا تو سب بے حد خوش ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد یہ مجلس ختم ہو گئی۔ دوسرے دن نواب میر جعفر مع انگریز افسران پاپیادہ بادشاہ وزیر کے وکیل کلیان سنگھ کے پاس پہنچے۔ کلیان سنگھ نے مہاراجہ کی طرف سے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ میر جعفر اور انگریز افسران کو خلعت پہنائے گئے۔ مہاراجہ موصوف نے سندِ صوبہ داری اور سندِ دیوانی بنام کمپنی انگریز بآواز بلند پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد ایک دوسرے کو مبارک بادیاں دی جانے لگیں۔ تحائف پیش کیے جانے لگے۔ سب خوش و خرم ہوئے۔ کلیان سنگھ کو بھی کمپنی کی جانب سے تلوار، خلعت، ایک زنجیر فیل، پستول، بندوقیں اور پچاس ہزار روپئے نقد بطور انعام پیش کیے گئے۔ موصوف نے بھی پانچ اشرفیاں بطور نذر میجر آدم (Majore Adam) کو پیش کیں۔ اس طرح نصف روز تک یہ جشن مسرت چلتا رہا۔

جب لارڈ کلائیو شجاع الدولہ کے ساتھ کیے گئے عہد نامے کی تصدیق کی غرض سے الٰہ آباد پہنچے تو ان کا تعارف مہاراجہ کلیان سنگھ سے کرایا گیا اور شتاب رائے نے ان کے اعزاز میں ایک شان دار ضیافت کا اہتمام کیا۔ کلکتہ لوٹتے وقت کلائیو نے کلیان سنگھ کو بھی اپنے ہم راہ لیا اور ان کو عظیم آباد لے گئے اور ۱۷۶۵ء (۱۱۷۳ھ) میں دیوان خالصہ کے بندوبست اور بہار میں بادشاہ کی جاگیر کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ان کو سونپ دی۔[1] شتاب رائے کلائیو کے ساتھ کلکتہ روانہ ہو گئے جہاں انہیں کمپنی کے مفاد میں کام کرنے کے عوض ۱۱۷۳ھ (۱۷۶۵ء) راجہ رام نارائن کے بھائی راجہ دھیرج نارائن کے ساتھ نائب ناظم بہار مقرر کیا گیا۔ ۱۱۷۴ھ بمطابق ۱۷۶۶ء میں دھیرج نارائن کو اس عہدہ سے

---

[1] ہسٹری آف بہار مولفہ: گوبند مشرا ص: ۱۳۸

ہٹا دیا گیا۔ لہٰذا شتاب رائے بلا شرکت غیر بہار کے نائب ناظم بن بیٹھے اور مختصر سی مداخلت کے بعد اپنی زندگی کے آخری ایام تک اس عہدہ پر برقرار رہے۔ ان کی نظامت کے دوران کلیان سنگھ ان کے ڈپٹی[1] کی حیثیت سے کام کرتے رہے، بلکہ کچھ عرصہ تک کے لیے جب شتاب رائے ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۷ء) میں نئے گورنر ویرلسٹ سے بغرض ملاقات کلکتہ تشریف لے گئے[2] تو انہوں نے اپنے والد کا سارا کام سنبھالے رکھا۔ یہی نہیں بلکہ ۱۱۸۳ھ/ ۱۷۶۹ء میں جب بہار میں زبردست قحط پھوٹ پڑا تو مہاراجہ موصوف نے ریلیف کے کاموں میں اپنے والد کے دوش بدوش بہت کام کیے۔ اپنے والد کے لیے انہوں نے سب سے بڑا کارنامہ اس وقت انجام دیا جب شتاب رائے پر بدعنوانی اور حکومت کے خزانے میں خرد برد کا الزام لگایا گیا اور عدالت میں ان کی طلبی ہوئی۔ کلیان سنگھ کے قول کے مطابق شتاب رائے پر لگائے گئے تمام الزامات بے بنیاد اور غلط تھے۔ ان میں کوئی صداقت نہیں تھی۔ بہر حال اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے شتاب رائے اس کیس کے سلسلے میں کلکتہ تشریف لے گئے اور کونسلر سے ملاقات کی اور اپنے خلاف عائد کیے گئے تمام الزامات کی نشان دہی کی درخواست کی۔

کاونسلر نے صوبہ بہار کے حساب و کتاب سے متعلق ایک دستاویز اُن کے حوالے کیا اور تحریری طور پر اپنی رپورٹ پیش کرنے کو کہا۔ شتاب رائے نے درخواست کی کہ ان کے خلاف چارج شیٹ عظیم آباد کونسل کو بھیج دی جائے[3] اور جو بھی عدالتی کاروائی ہو وہ ان کے بیٹے کلیان سنگھ کی موجودگی میں ہو۔ الزامات سے متعلق عامل اور مال گزاروں سے تفتیش کی جائے[4]۔ ان کی یہ درخواست منظور کرلی گئی اور اس پر عمل کیا گیا۔ سرکار چمپارن

۱۔ ہسٹری آف بہار مولفہ: گوبند مشرا ص: ۱۳۸

۲۔ ایضاً ص: ۱۵۷

۳۔ خلاصۃ التواریخ مولفہ: کلیان سنگھ فولیو ص: ۱۷۳-الف

۴۔ ایضاً

کے عامل محمد اشرف خان کشمیری، میر ہدایت علی خان [1] کے صاحب زادے اور سرسا اور کٹمبا [2] کے عامل سیّد غلام حسین خان سے باز پرس کی گئی۔ ان تمام حضرات نے مہاراجہ کی بے گناہی کی تصدیق کی۔ حساب کتاب سے متعلق عظیم آباد سے کلکتہ کونسل کو ایک تفصیلی رپورٹ بھیجی گئی جس کی رو سے مہاراجہ شتاب رائے کو تمام الزامات سے باعزت بری کر دیا گیا۔ کمپنی نے ان کو دوبارہ نیابت صوبہ بہار پر بحال کیا اور خلعت ہائے فاخرہ سے سرفراز کیا۔

مہاراجہ شتاب رائے قیام کلکتہ کے زمانے میں ہی اسہال [3] کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے۔ وہ بھاگل پور [4] کے راستے جب عظیم آباد پہنچے تو یہ مرض اور بھی خطرناک صورت اختیار کر گیا۔ جب مسٹر وارن ہیسٹنگز شروع جمادی الاوّل ۱۱۸۷ھ (مطابق اوائل اگست ۱۷۷۳ء) میں بنارس جاتے ہوئے عظیم آباد پہنچے تو مہاراجہ کی عیادت کو گئے۔ پہلے تو انہوں نے مہاراجہ کو اپنے ساتھ بنارس لے جانا چاہا تاکہ ان کی معیت میں وہ بادشاہ وزیر سے گفتگو کر سکیں لیکن چوں کہ شتاب رائے کی حالت نہایت ابتر ہو رہی تھی اس لیے انہوں نے ان پر زیادہ زور نہیں دیا اور ان کا عذر مان لیا۔ زندگی سے مایوس شتاب رائے نے اپنے بیٹے کلیان سنگھ کو ان کے روبرو پیش کیا اور ان کا ہاتھ گورنر جنرل کے ہاتھ میں [5] دیتے ہوئے ان کی (کلیان سنگھ) سفارش اور خدمات نیابت نظامت و دیوانی اور بحالی التمغات و جاگیرات کی استدعا کی۔ اور یہ درخواست کی کہ وہ کلیان سنگھ کو اپنی ہی اولاد سمجھیں [6]۔

۱۔ خلاصۃ التواریخ مولفہ: کلیان سنگھ فولیو ص: ۱۷۳-الف

۲۔ یہ گیا ضلع کے اورنگ آباد سب ڈویژن میں واقع ہے۔

۳۔ آثار الشعراء ہنود مصنفہ: بنی پرشاد

۴۔ ہسٹری آف بہار مولفہ: گوبند مشرا ص: ۱۶۴

۵۔ عجائب الواردات مصنف کلیان سنگھ فولیو ۱۴۵-الف

۶۔ عجائب الواردات مصنف کلیان سنگھ فولیو ۱۴۵ الف

گورنر نے کلیان سنگھ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے نہایت آب دیدہ ہوکر فرمایا:

"میں آپ کے اس بڑے صاحبزادے کو اپنی اولاد سمجھوں گا اور ہمیشہ اس کی مدد و معاونت کرتا رہوں گا۔ اس سلسلے میں آپ خاطر جمع رکھیں۔"[1]

گورنر جنرل کے رخصت ہوتے ہی شتاب رائے کی حالت بگڑنے لگی اور ان کے بچنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ آخر کار زندگی کی آخری جنگ لڑتے ہوئے وہ دوشنبہ ۱۹ر جمادی الثانی ۱۱۸۷ھ بمطابق ۱۷۷۳ء کو اس دنیا سے کوچ کر گئے[2]۔ ان کی موت پر کلیان سنگھ کو زبردست صدمہ پہنچا۔ ان کی دنیا تاریک ہوگئی۔ اپنے رنج و غم کا اظہار انہوں نے اپنی درج ذیل نظم میں یوں کیا ہے:

آه از بزمی که شور می بود | هر دم جوش موج می بود
امشب فریاد ها یها یست | عشرتکده خانۂ عزا یست
باغی که زبوئے گل نشان داشت | بلبل بر شاخش آشیاں داشت
ویران شده گل خموش کردند | بلبل در عجم ملول کردند
هر سر ز سپهر آفت آمد | در خلق و جهان قیامت آمد
عالم شد تیره در نظر ها | شد زخمی تیغ غم جگر ها
ای مطرب نوحه خواں کجائی | کامد بر سر شب جدائی
اکنون نو شتم ز آه سینه پر کن | زین واقعه هر کجا خبر کن[3]

لہٰذا ۱۷۷۳ء کے ماہ ستمبر میں جب وہ بنارس کا کام ختم کر کے عظیم آباد واپس آئے تو وہ تعزیت کے لیے سیدھے کلیان سنگھ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ان کے والد کی

۱۔ ایں پسر بزرگ شمار اپسرِ خود خواہم خواند و ہمیشہ متوجہ حال اور محمود و معاون اور خواہم بود صاحب بہ ہمہ وجود ازین امر خاطر جمع دارند

۲۔ آثار الشعراء ہنود مصنفہ بینی برشاد ص: ۵۸، خلاصۃ التواریخ فولیو: ۱۷۳-ب

۳۔ عجائب الواردات مصنف کلیان سنگھ فولیو ۴۶

موت پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور ان کو تسلیاں دیں۔ دوسرے دن وہ اپنے جائے مقام بانکی پور (باقی پور) آئے اور ممبران کونسل کے ساتھ شتاب رائے کی جگہ پر کلیان سنگھ کی بحالی کے سلسلے میں گفتگو کی۔

شتاب رائے کی موت کی خبر سن کر ان کو بے حد افسوس ہوا اور محل میں آخر الذکر کو بلا کر کہا کہ:

"چوں کہ شتاب رائے نے کمپنی کے لیے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں لہٰذا ان کی خدمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سالانہ ۵۰،۰ ہزار روپیہ تنخواہ پر آپ کو نیابت صوبہ داری اور دیوانی خالصہ شریف کی خدمت تفویض کی جاتی ہے۔"

(عجائب الواردات مصنف کلیان سنگھ فولیو:۴۶ فولیو۴۴-اب خلاصۃ التواریخ فولیو:۱۸۲)

مہاراجہ کی تقرری کے بعد ان کو ممتاز الدولہ مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر تہور جنگ کا خطاب دیا گیا ہے۔ چنان چہ کیلنڈر آف پرشین کورسپونڈینس جلد چہارم کے خطوط نمبر ۶۰-۵۰۹،۵۵۴ مورخہ اکتوبر ۱۷۷۳ء سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ گورنر کی سفارش پر نواب مبارک الدولہ کی جانب سے منّی بیگم نے مرشد آباد سے دو مہریں 'خلعت' سندیں اور مہاراجہ کا خطاب کلیان سنگھ کو بھیجا تھا لیکن کیلنڈر جلد پنجم کے ایک مکتوب مورخہ ۲۸ / اپریل ۱۷۷۸ء سے انکشاف ہوتا ہے کہ انتظام الملک تہور جنگ کا خطاب کلیان سنگھ کو بادشاہ وقت شہنشاہِ شاہ عالم ثانی کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔ مہاراجہ کا اپنا قول ہے کہ نظامت کے عہدہ پر تقرری کے فوراً بعد انہوں نے گورنر جنرل کو سلام پیش کیا۔ گورنر جنرل نے سلام کا جواب نہایت خندہ پیشانی سے دیتے ہوئے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور[1] مکان سے باہر آئے۔ گورنر جنرل نے نوبت وجلوس کے ساتھ مہاراجہ کو ہاتھی پر سوار کر کے مغربی دروازے کے راستے ان کی رہائش گاہ تک پہنچایا۔ مہاراجہ موصوف گھر پہنچ کر ہاتھی سے اُترے، سیدھے دیوان خانے میں گئے اور اپنے والد کی مسند نظامت و

---

[1] عجائب الواردات مصنف کلیان سنگھ فولیو:۴۶ فولیو۴۴-اب خلاصۃ التواریخ فولیو:۱۸۲

دیوانی پر جلوہ افروز ہوئے[1]۔ عظیم آباد کے تمام افسران ، روٗسا اور عمائدین شہر نے مبارک بادیاں دیں اور نذرانے پیش کیے۔ مہاراجہ موصوف نے نہایت ہی خوش اخلاقی سے نذرانے ومبارک بادیاں قبول کیں اور سب کا شکریہ ادا کیا۔

مہاراجہ کے ایک اہم عصر اور "سیر المتاخرین" کے مصنف غلام حسین خان ذمہ داری کے اس اہم عہدے پر مہاراج کی بحالی مناسب نہیں سمجھتے تھے بلکہ مہاراجہ کو اس کا اہل ہی نہیں سمجھتے تھے۔ اپنی کتاب میں اس کی وجہ وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"چوں کہ اس وقت کلیان سنگھ کم سن اور نا تجربہ کار تھے اور کردار بھی ان کا کچھ اچھا نہ تھا اس لیے ذمہ داری کے اس اعلیٰ عہدے کے لیے وہ ناموزوں اور بالکل نامناسب تھے۔ اور گورنر جنرل نے ان کو شتاب رائے جیسی مقتدر ہستی کی جگہ پر بحال کرکے سخت غلطی کی ہے۔"

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ:

"مہاراجہ کی نااہلی اور لاپرواہی کے سبب بہت جلد تمام اختیارات ان کے ہاتھ سے نکل گئے اور کونسل پر ان کا اثر تھا وہ بھی زائل ہو گیا۔"

("جرنل آف بہار واڑیسہ ریسرچ سوسائٹی" جلد ششم صفحہ:۴۳۸)

جب کہ دوسری جانب کلیان سنگھ اپنے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"۱۱۸۰ فصلی (۱۷۷۳ء/۱۱۸۷ھ) سے ۱۱۸۸ فصلی (۱۷۸۱ء/۱۱۹۴ھ) کے وسط تک وہ بلا ناغہ اپنا دربار لگاتے، مقدمات کا فیصلہ کرتے اور عظیم آباد کے لوگوں، عالموں اور مال گزاروں سے ملاقات کرتے تھے۔ ان کاموں کے علاوہ جمعہ کو تعطیل منانا، اضلاع کا براہ راست انتظام و بندوبست کرنا، کسانوں پر زیادتی کے متعلق مناسب احکام جاری کرنا، فصل کی خرابی کے اسباب کی جائے وقوع پر تحقیق کرنا، اپنی ساری عمل داری میں کبھی کبھی دورہ کرنا۔"

---

[1] سیر المتاخرین مصنف غلام حسین ص:۱۰،۹،۸

یہ کل باتیں مہاراجہ کلیان سنگھ نے اپنے نامور باپ سے سیکھی تھیں اور جب تک ان کے ہاتھ میں اقتدار رہا وہ ان پر عمل کرنے کی ہمیشہ سعی کرتے رہے۔

کلینڈر آف پرشین کورسپونڈینس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ کلیان سنگھ نے اپنے حسن سلوک کی بدولت گورنر جنرل سے اچھے تعلقات و مراسم پیدا کر لیے تھے۔ وقتاً فوقتاً گورنر جنرل کی خدمت میں نذر و نیاز بھیجنا، دیوانی اور صوبے سے متعلق معلومات فراہم کرنا اور دربار شاہی میں جاگیرات سے متعلق خبریں ارسال کرنا، ان کے روز مرہ کے کام میں شامل تھے۔ وہ گورنر کو خوش اور ہمیشہ باخبر رکھنے کے علاوہ دیوانی کے انتظامیہ سے متعلق گورنر کے تمام احکامات کی تعمیل کرتے رہے۔ ایک مکتوب ۳۰ر ستمبر ۱۷۶۴ء کے مطابق مہاراجہ موصوف نے گورنر جنرل کو یقین دلایا تھا کہ وہ صوبہ میں امن و امان برقرار رکھنے لیے لٹیروں کو سزا دینے میں ہمیشہ کیپٹن بروک (Captain Brooke) کی مدد کرتے رہیں گے۔ انہوں نے بعض مرتبہ گورنر جنرل کو ہندوستان کے دیگر حکمرانوں کے ساتھ تعلقات استوار اور خوش گوار بنانے کا مشورہ بھی دیا۔ غلام حسین طبا طبائی کا بیان ہے کہ :

> ''مہاراجہ جوں جوں دوسرے اشغال کی طرف متوجہ ہونے لگے، ملکی و مالی کاروبار کی ساری ذمہ داری وہ اپنے دوستوں اور اہل کاران پر چھوڑتے گئے انتظامی امور پر ان کی گرفت کم زور ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ان کے اہل کاروں کی بعض کارروائیاں جن کا پتہ مہاراجہ کو بھی نہ تھا، شکایتیں پیدا کرنے لگیں اور ممبران کونسل مہاراجہ سے بدظن ہونے لگے اس طرح کونسل کی مجلس میں ان کی اہمیت گھٹ کر رہ گئی تھی۔''

تاہم کوئی مؤرخ اس بات کا ثبوت بہم نہیں پہنچا سکا کہ مہاراجہ حکومت کے خزانے میں بدعنوانی اور خرد برد کے مرتکب ہوئے ہوں۔

مہاراجہ موصوف کے سیاسی کردار کو سب سے زیادہ نقصان ان کے ہم کاروں اور نائبین سے پہنچا۔ ان سے مہاراجہ کے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہے۔ اپنی کتاب ''عجائب الواردات''

میں وہ اس بات کی شکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ان کی عمل داری میں کچھ ایسے لوگ موجود تھے جو ممبران کونسل کو ہمیشہ ان کے خلاف یہ کہہ کر بھڑکایا کرتے تھے کہ وہ عیش و عشرت کی زندگی گزارتے۔''

(''عجائب الواردات'' مصنفہ کلیان سنگھ فولیو:۱۵۱-الف)

عظیم آباد کونسل کے ممبران نے کچھ تو ان لوگوں کے اکسانے پر اور کچھ اپنے مفاد کی خاطر اس بات کی اتنی تشہیر کی کہ یہ خبر اڑتے اڑتے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کے کانوں تک پہنچ گئی۔ گورنر موصوف سخت ناراض ہوئے اور انہیں مجبوراً کلیان سنگھ کو کونسل میں روزانہ حاضری دینے سے روک دینا پڑا[۱]۔ مہاراجہ موصوف نے اپنے اوپر عائد الزام کی سختی سے تردید کی اور دعویٰ کیا کہ دولت اور عیاشی نے ان کو کبھی متاثر نہیں کیا۔ ایک سال تک اس سلسلے میں لفظی جنگ جاری رہی۔ دریں اثنا کمپنی کو بہار میں سخت معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ بدعنوانی، بدانتظامی اور خرد برد میں ملوث افراد فرار ہوگئے۔ جب گورنر جنرل کے علم میں باتیں آئیں تو انہوں نے کونسل کو ہدایت کی کہ مجرموں کو سخت سے سخت سزائیں دی جائیں اور اس سلسلے میں کوئی بھی قدم مہاراجہ کلیان سنگھ کے صلاح و مشورے کے بغیر نہ اُٹھایا جائے۔ جب ممبران کونسل کو گورنر موصوف کا یہ مکتوب ملا تو وہ مہاراجہ کے پاس آئے اور ان پر جو الزامات عائد کیے گئے تھے، ان پر پشیمان ہوئے اور ان سے معافی مانگی۔

اس واقعہ کے بعد آئندہ سال میں کلیان سنگھ نے صوبے کے انتظام میں بہت ساری تبدیلیاں کیں جن کی وجہ سے کمپنی فائدے میں رہی اور اس کی معاشی حالت میں کافی سدھار آگیا۔ کلیان سنگھ کے اس انتظام سے گورنر جنرل بھی کافی خوش ہوئے۔ اسی سال ۱۱۸۶ فصلی میں کونسل کے تعاون، عدلیہ کی ایمان داری، وفاداری اور خلوص نے مل جل کر اس طرح کام کیا کہ گورنر بھی صوبے کی معاشی اور سیاسی حالت سے مطمئن ہوگئے۔ کلیان سنگھ گورنر کو ہمیشہ اس بات سے آگاہ کرتے رہے کہ غیر متعلق کام اور اعلیٰ افسران

[۱] ''عجائب الواردات'' مصنفہ کلیان سنگھ فولیو:۱۵۱-الف

سے ملاقات کرنے کی وجہ سے ان کو صوبے سے متعلق کام کرنے کا بہت کم وقت ملتا ہے۔[1] لیکن یہ ان کا عذر لنگ تھا۔ شروع میں انہوں نے محمد شاہ رنگیلے کی طرح ہر کام میں تندہی اور مستعدی دکھائی لیکن رفتہ رفتہ امور حکومت کی طرف سے غفلت برتنے لگے۔ علمی ذوق وشعروشاعری کا شوق، طبیعت کی رنگینی اور ناتجربہ کار دوستوں کی ہم نشینی رنگ لائی۔ ان کے ہم کاروں اور نائبین نے ان کی اس کمزوری سے زبردست فائدہ اُٹھایا اور وہ دھیرے دھیرے انتظامیہ کے ہر شعبے پر اپنا قبضہ جماتے چلے گئے۔ خاص طور پر خیالی رام نے جو مہاراجہ کے نائبین میں سے تھے اور جن کی تقرری چین پور، سریز، کٹمبا اور سہسرام کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے ہوئی تھی، مہاراجہ موصوف کو نظرانداز کر کے کمپنی سے براہ راست رابطہ قائم کرنا شروع کر دیا اور کمال ہوشیاری سے اپنے لیے ان کی ہمدردیاں حاصل کر لیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلیان سنگھ کو گورنر جنرل کا جو اعتماد اور تعاون حاصل تھا، وہ ختم ہو گیا۔ بہار میں فوج داری اور کوتوالی پر سے ان کا کنٹرول جاتا رہا۔[2] لیکن کسی بھی ذریعہ سے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آیا ان کو دوبارہ سندیں عطا کی گئیں یا نہیں حالاں کہ انہوں نے اس کے لیے اپریل ۱۷۷۸ء میں درخواست کی تھی۔

ممکن ہے کمپنی نے ان کو ان کی غفلت اور کمپنی کے کام سے بے توجہی پر ڈانٹ پھٹکار کی ہو۔ ۱۴ر اپریل ۱۷۷۷ء کے ایک مکتوب سے پتہ چلتا ہے کہ مہاراجہ نے خود اس بات کی درخواست کی تھی کہ ان کی گزشتہ غلطیوں کو نظرانداز کر دیا جائے اور ان کو پھر سے کمپنی کے بہی خواہوں میں شامل کر کے ان پر مکمل اعتماد کیا جائے۔ اس سلسلے میں مہاراجہ کے ایجنٹ لالہ مجلس رام جو اس وقت کلکتہ میں مقیم تھے، ۸ر مئی ۱۷۸۱ء کے اپنے ایک مکتوب میں گورنر جنرل کو لکھتے ہیں :

''مہاراجہ نے اب تمام لغویات چھوڑ دی ہیں اور ان کے سپرد جو کام کیا گیا ہے

---

[1] عجائب الورادات مصنفہ: کلیان سنگھ فولیو: ۵۲-اب

[2] کیلنڈر پنجم ۸۷۸-۱۷-۴-۱۷۷۸

اس کی وہ صحیح دیکھ بھال کر رہے ہیں اور گورنر جنرل کے دماغ میں ان کی لاپرواہی اور بے توجہی کا خیال ہو گیا ہے، اسے دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ اس قول کی سچائی کی تصدیق مسٹر (ہنری) راموس اور دوسرے شعرا سے کی جاسکتی ہے......ہی میں بہار سے لوٹے ہیں۔"

(کیلنڈر آف پرشین کورسپونڈینس جلد پنجم ص: ۵)

لیکن اس درخواست کا نہ تو کوئی اثر ہوا اور نہ ہی گورنر جنرل کا اعتماد بحال ہوا بلکہ حالت اس وقت اور بھی خراب ہو گئی جب مہاراجہ کی مرضی کے خلاف خیالی رام کو چین پور اور سہسرام کے علاقوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپ دی گئی مگر بدقسمتی سے خیالی رام گورنر کے قرض دار ہو گئے اور تقریباً ۷۰ ہزار روپیہ بقایا پڑ گیا[1]۔ ان کے نام ایک وارنٹ جاری ہوا جس کے خوف سے وہ روپوش ہو گئے۔ خیالی رام نے خفیہ طور پر مہاراجہ سے ملاقات کی اور اس نے درخواست کی کہ وہ گورنر جنرل کے نام ایک تعارفی خط لکھ دیں تاکہ وہ کلکتہ جا کر اپنی صفائی پیش کر سکیں۔ کلیان سنگھ نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ ان کو اس کا کوئی خط دینے کی حماقت اس لیے نہیں کر سکے کہ ان کو اس بات کا خوف ہے کہ کہیں وہ (خیالی رام) ان کے خلاف سازش نہ کر بیٹھیں اور سارا الزام ان کے سر نہ تھوپ دیں۔ اس طرح بہار میں ان کی پوزیشن بالکل خراب ہو جائے گی کیوں کہ وہ اس صوبے کے انچارج تھے۔

مگر خیالی رام کی منت وسماجت سے مجبور ہو کر مہاراجہ نے ان کو ایک سفارشی خط اس یقین دہانی پر لکھ دیا کہ وہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے[2]۔ خیالی رام مہاراجہ کا خط لے کر کلکتہ پہنچے اور دیوان گوبند رام کی مدد سے متعلقہ انگریز افسران سے بات چیت شروع کی اور ۱۱۸۵ھ (۸۱-۱۷۸۰ء) میں تمام صوبہ کی مقرری ۲۴ / لاکھ

---

[1] عجائب الواردات مصنف: کلیان سنگھ فولیو-۱۵۱

[2] ایضاً فولیو-۱۵۴

(بقول مسٹر ہینڈ ۲۹۲۱۰۷ چوں کہ سال ماسبق کا بندوبست ۲۸۰۲۱۸۵ پر ہوا تھا[1] روپیہ سالانہ کے عوض اپنے اور گنگا گو بند رام کے نام ۸۱-۱۱۸۰ھ میں لکھوالی۔ مہاراجہ کے وکیل مجلس رائے نے جو کلکتہ ہی میں مقیم تھے ان تھک کوشش کی کہ یہ معاہدہ نہ ہونے پائے لیکن گورنر نے ایک نہ سنی۔ جب قبولیت و...... بندی کے کاغذات پہنچے تو مہاراجہ نے گورنر کی مرضی دیکھ کر بلا چوں چرا دستخط کر دیے اور مہر ثبت کردی۔ اس تصفیہ کے ساتھ ہی پٹنہ کی صوبائی کونسل جس کی تشکیل ۱۷۷۰ء[2] میں ہوئی تھی، خود بخود ختم ہو گئی۔

بقول غلام حسین[3] جب راجہ خیالی رام عظیم آباد لوٹے تو مہاراجہ نے ان سے سخت لہجے میں باز پرس کی کہ انہوں نے ان سے مشورہ کیے بغیر ایسا قدم کیوں اُٹھایا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے گورنر سے سخت لہجے میں ان کی شکایت بھی کردی۔ خیالی رام نے عذر لنگ پیش کیا اور خاموش ہو رہے۔ بعد میں مہاراجہ موصوف کو احساس ہوا کہ ایسا ہونے سے صوبے کی ساری ذمہ داری ان پر ہی ہوگی، جو نہایت ہی جوکھم کا کام ہے لہٰذا انہوں نے تجویز پیش کی کہ صوبے کی مال گزاری وصول کر کے خزانے میں جمع کر دی جائے اور کمپنی کو قسطوں میں رقم ادا کی جائے اور جو رقم بچ جائے، آپس میں تقسیم کر لی جائے مگر خیالی رام نے یہ تجویز نامنظور کردی۔ تب مہاراجہ نے دوسری تجویز پیش کی کہ اگر یہ پسند نہ ہو تو صرف اپنے نام کے محالات گوشوارہ علیحدہ کر کے اس کی پوری ذمہ داری لیں اور بقیہ ان کے سر رہنے دیں مگر مہاراجہ کی اس تجویز کو بھی خیالی رام نے رَد کر دیا۔ بات جوں کی توں رہ گئی۔ اس درمیان خیالی رام بھکنا پہاڑی جا کر ریونیو چیف مسٹر میکسویل (Mr. Maxwell) سے برابر ملاقاتیں کرتے رہے اور یہ افواہ پھیلاتے رہے کہ کلیان سنگھ برائے نام...... صوبہ کی تمام حکومت تو خود ان کے ہاتھ میں ہے۔ آخر کار مہاراجہ

---

[1] مسٹر ہینڈ ص:۳۱، عجائب الواردات فولیو:۱۵۴

[2] جنرل آف بہار اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی ۱۹۴۰ء صفحہ:۲۷

[3] سیر المتاخرین صفحہ:۸۱۰

موصوف نے مسٹر میکسویل سے ملاقات کی اور اس سلسلے میں ان کی صلاح چاہی۔ میکسویل کو خیالی رام نے پہلے سے ہی بھڑکا رکھا تھا اس لیے انہوں نے کلیان سنگھ کو کوئی مشورہ نہیں دیا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ ان کا اندرونی معاملہ ہے، وہ خود طے کرلیں بلکہ انہوں نے خود بلکہ کلیان سنگھ کو اس مسئلے کا حل پیش کرنے کو۔ لہٰذا اس سلسلے میں خیالی رام کو بلایا گیا اور ان سے ان کی مرضی پوچھی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ مہاراجہ پورے صوبے کی ذمہ داری قبول کریں اور ادا کی گئی رقم میں کسی طرح کی دیر یا بقایا کے ذمہ دار وہ (خیالی رام) نہ ٹھہرائے جائیں۔ عظیم آباد کی کونسل خیالی رام کے خیالات کی گہرائی سے تشویش مند تھی اس لیے اس سلسلے میں اس نے مہاراجہ کے خیالات بھی جاننا چاہی۔ مہاراجہ نے کونسل کو جواب دیا کہ اگر کونسل ان پر مکمل اعتماد کرتی ہے اور صوبہ کے تمام کارہائے مالی و ملکی کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈالنا چاہتی ہے تو وہ بسر و چشم اس کے لیے تیار ہیں۔ ان کے پاس اتنی کافی جائداد ہے کہ اگر کمپنی کو کسی بھی طرح کا نقصان ہوا تو وہ اس کا معاوضہ ادا کر سکتے ہیں۔ جب کہ خیالی رام اتنے متمول نہیں ہیں کہ اس کے اہل ہو سکیں اس لیے کہ ان کے پاس بہت ہی چھوٹی سی جائداد ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ خیالی رام کا منشا سوائے دھوکہ دہی کے اور کچھ نہ تھا۔ مہاراجہ نے بہت سارے ثبوت بھی پیش کیے جن کی فراہمی میں ان کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ عظیم آباد کونسل نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ کمپنی اور صوبہ کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ تمام صوبے کا بندوبست کلیان سنگھ ہی کریں۔ اس کی مال گزاری وصول کر کے خزانے میں جمع کرا دیں۔ کونسل خود اس بات کی ذمہ داری قبول کرتی ہے کہ وہ کمپنی کی رقم قسط وار بھیج دیا کرے گی۔

مہاراجہ کلیان سنگھ نے اپنی دونوں کتابوں "خلاصۃ التواریخ" اور "عجائب الواردات" میں جگہ جگہ خیالی رام پر سخت تنقیدیں کی ہیں انہیں نمک حرام، غدار اور مکار قرار دیا ہے[1]۔ اور یہ کہتے ہوئے سارا الزام ان کے سر تھوپ دیا ہے کہ خیالی رام نے بھلائی کا بدلہ برائی

---

[1] خلاصۃ التواریخ مصنف: کلیان سنگھ فولیو: ۱۸۹

سے دیا اور دھوکہ سے حاصل کیے ہوئے ان ہی کے سفارشی خط کے سہارے مقرری گرانٹ اپنے اور گنگا گو بند کے نام حاصل کرلیا[1]۔ مہاراجہ خیالی رام کے نائبین سے بھی بدظن رہے، جنہوں نے میکسویل کو بھڑکایا، احکام کی نافرمانی کی اور ان تمام مناسب تجاویز کو رد کردیا جن کی مدد سے بقایا مال گزاری کا معاملہ حل کیا جا سکتا تھا۔ ان کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں سے مہاراجہ کو اپنے حصے کی رقم کی پہلی قسط تو ادا کرنی ہی پڑی اس کے ساتھ ہی گنگا گو بند کی قسط بھی انہی کو چکانا پڑی۔ خیالی رام نے اس کی کچھ پروا نہیں کی مگر غلام حسین[2] کلیان سنگھ کے اس بیان سے اتفاق نہیں کرتے ہیں بلکہ خیالی رام کی طرف داری کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

> ''وہ ہمیشہ اپنے آقا (شتاب رائے) کے بیٹے کے وفادار رہے بلکہ خود کلیان سنگھ نے ان کی وفاداری پر شک کیا اور صوبے کے...... بندوبست سے عوام اور صوبے کو ہونے والے تمام فوائد کے مواقع ضائع کردیے۔''

ہمیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ کون زیادہ غلطی کا مرتکب ہوا۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ اس معاملہ میں دونوں نے غیر دانشمندی کا ثبوت دیا اس لیے دونوں ہی نقصان سے دوچار ہوئے اور جب گورنر وارن ہیسٹنگز نواب علی ابراہیم خان کے ہمراہ ۱۱۸۸ھ (۱۷۸۱ء) میں پٹنہ پہنچے اور بھکنا پہاڑی میں مقیم ہوئے تو مہاراجہ نے ان سے ملاقات کرکے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ چوں کہ گورنر کو بنارس جانے کی جلدی تھی اس لیے انہوں نے سارا معاملہ مسٹر اینڈرسن (Mr. Anderson) کے سپرد کردیا۔ تحقیق کے بعد خیالی رام کی عدم ادائیگی ثابت ہوگئی اور سخت سست کہے گئے۔ اسی سال جب گورنر بنارس سے واپس آئے تو انہوں نے خیالی رام کو جائداد کے بندوبست میں بدانتظامی اور مال گزاری کی رقم کے بقایا کے الزام میں حویلی بیگمان میں نظر بند کرنے کا حکم صادر کردیا۔

---

1 کیلنڈر آف پرشین کورسپونڈینس جلد ششم ص: ۱۳۴

2 سیر المتاخرین ص: ۸۱

خیالی رام کی رہائی کے لیے جب بادشاہ نے گورنر کو لکھا تو گورنر نے اس بات کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کی درخواست رد کردی کہ:

"خیالی رام نمک حرام اور خطاوار ہے اس نے حکومت کی رقم میں خرد برد کی ہے۔"

خیالی رام کی گرفتاری اور نظر بندی کا مہاراجہ کلیان سنگھ پر زبردست اثر ہوا۔ وہ ڈر گئے کہ کہیں ان کا بھی انجام خیالی رام کی طرح نہ ہو لہٰذا وہ قسط وار اپنے حصہ کا روپیہ ۱۱۸۹ھ اور ۱۱۹۰ھ تک ادا کرتے رہے لیکن ۲۰۵۴۳ روپے کی ایک چھوٹی سی رقم باقی رہ گئی۔ کمپنی نے ان کو کہا کہ وہ جلد از جلد بقائے کی رقم ادا کر دیں ورنہ ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی لیکن ملک کی سیاسی حالت کے پیش نظر ایسا نہیں کیا جا سکا۔ اگرچہ مہاراجہ کو بہت ساری پریشانیاں لاحق تھیں پھر بھی انہوں نے جیسے تیسے کر کے ۱۷۸۱ء تک بقایا رقم بورڈ آف ریوینیو کو بھیج دی جس کے لیے گورنر نے ان کی بے حد تعریف کی اور ۹ مارچ ۱۷۸۲ء[1] کے اپنے ایک مکتوب میں مہاراجہ کے انتظامی امور سے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

مسٹر اینڈرسن نے جو مال گزاری کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال کر رہے تھے، مہاراجہ کا سب حساب درست پایا۔ انہوں نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ مجلس لال کی رقم جو تقریباً ۲۷۶۰ روپیہ تھی، ادا کر دیں۔ مہاراجہ نے اس پر فوراً عمل کیا اور رقم ادا کر دی[2]۔ بعد میں یہ محال مسٹر بروک نے لے لیے[3]۔

خیالی رام کی نمک حرامی، ہم کاروں کی بے وفائی اور بقایا کی کثیر رقم کی ادائیگی نے کلیان سنگھ کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ وہ قلاش ہو گئے۔ ان کے پاس نقدی یا جواہرات کی شکل میں جو کچھ بھی تھا وہ بھی مسٹر ڈنکن نے ان کے کھیت کے محال پر بقایا رقم کے عوض

---

[1] کیلنڈر ششم ۲۶۸-۲۶۲

[2] عجائب الواردات فولیو: ۱۶۴-الف

[3] کیلنڈر ششم جلد صفحہ: ۷۵۷

ضبط کر لیا[1]۔ ۱۷۸۴ء میں ان کی جائداد پانچ برس کے لیے قرق کر لی گئی تا کہ مال گزاری کی

بقایا رقم ان کی جائداد کی آمدنی سے وصول ہو سکے۔ یہ رقم تقریباً ۶ر لاکھ تھی۔ صرف یہی نہیں، ان کو دیوانی کے عہدے سے بھی بے دخل کر دیا گیا۔ اب ان کی آمدنی کا خاص ذریعہ صرف الاؤنس رہ گیا جس کا کچھ حصہ نقد مل جاتا تھا اور کچھ سند و سرٹیفکیٹ کی شکل میں[2]۔

اگرچہ شروع میں مہاراجہ نے ہر کام میں تندہی اور مستعدی دکھائی لیکن ان کی تباہی کی وجہ ان کا علمی ذوق اور شعر و شاعری کا شوق، طبیعت کی رنگینی اور ناتجربہ کار اور نااہل دوستوں کی ہم نشینی تھی۔ پانچ ہزار کی ماہانہ تنخواہ (جو تھوڑے ہی عرصے میں گھٹ کر ۴۱۶۶ر ہو گئی جو رائے رایان صوبہ بہار کی حیثیت سے انہیں کمپنی کی طرف سے ملتی تھی) ان کی کہاں تک کفالت کرتی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ صوبہ اودھ اور صوبہ الہ آباد، جون پور اور دہلی کی جاگیریں جو ان کے باپ شتاب رائے نے حاصل کی تھیں، شجاع الدولہ نے ضبط کر لیں جو باوجود ان کی درخواستوں اور گورنر کی سفارشوں کے انہیں واپس نہیں مل سکیں۔ اس سے مہاراجہ کی مالی حالت نہایت خستہ ہو گئی اور وہ بالکل مجبور ہو کر رہ گئے۔ اس پر طرہ یہ کہ مہاراجہ اپنے مفاد کے سامنے نہ تو کسی کا خیال کرتے تھے اور نہ ہی کسی کو خاطر میں لاتے تھے۔ اس کے علاوہ مہاراجہ میں کبر و مطلق العنانی بھی آ گئی تھی۔ ریوینیو چیف کو آنکھ نہ لگانا، خود کو ایک آزاد حاکم سمجھنا، گورنر کے سوا کسی کی بات نہ سننا، زمین داروں، مال گزاروں اور تحصیل داروں سے سختی سے پیش آنا، ان کو قید کرنا، ان کی جائداد ضبط کرنا، راجگان ترہت و ٹکاری کے راجہ مادھو سنگھ اور راجہ متر جیت سنگھ جیسے بڑے زمین داروں کو بلا کر زیر حراست رکھنا، آخر الذکر کو باوجود صاحب..... عظیم آباد کی سفارش کے رہا نہ کرنا مطلق العنانی کی واضح علامتیں تھیں۔ ان میں کوئی شبہ نہیں کہ مہاراجہ اپنے اور اپنے باپ کے حقوق اور بھائیوں اور ان کے رسوخ کے باعث اپنے رتبہ و اقتدار کا زیادہ اندازہ کرنے لگے تھے اور یہی وجہ ہے کہ وہ میکس ویل، ہیوم یا مسٹر بروک یا کسی

---

1. عجائب الواردات فولیو-۱۶۷

2. فورٹ ولیم ہاؤس کورسپونڈینس جلد-X صفحہ:۲۱۸

کے بھی حکم کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا یہ افسران مہاراجہ سے بدظن ہو کر ان کے کام میں رخنہ اندازی کرنے لگے اور یہی بات مہاراجہ کے زوال کا باعث ہوئی۔

اقتدار سے بے دخل ہو جانے کے بعد بھی کلیان سنگھ نے ہمیشہ انگریز افسران سے رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ ان سے اپنی مشکلات بیان کرتے رہیں اور ان کی مدد اور تعاون کے خواستگار رہا کرتے تھے۔ جب جان شور پٹنہ تشریف لے گئے تو مہاراجہ ان سے ملنے گئے اور اپنا کیس ان کے سامنے رکھا مگر جان شور نے بے اعتنائی برتی لیکن مہاراجہ نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ ان کے ہم راہ کلکتہ اور مرشد آباد تک گئے اور آخر کار انہوں نے گورنر کے دربار میں شرفِ باریابی حاصل کر لی۔ گورنر نے ان کو لکھنؤ تک ساتھ چلنے کو کہا کیوں کہ وہ اس وقت سفر لکھنؤ کے لیے تیار بیٹھے تھے لیکن مہاراجہ سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکے اور بدقسمتی سے غازی پور پہنچتے ہی بیمار پڑ گئے[1]۔ گورنر جب واپس ہوئے تو کلیان سنگھ پھر ان کے ساتھ ہو لیے اور پٹنہ پہنچ گئے۔ گورنر انہیں پٹنہ میں چھوڑ کر کلکتہ چلے گئے۔ مہاراجہ کے متصدی رائے مجلس رائے چند ضروری کاغذات کے ساتھ گورنر کے پاس بغرض ملاقات پہنچے تاکہ کلیان سنگھ کے کیس کی پیروی کر سکیں مگر گورنر کو چوں کہ انگلینڈ جانے کی جلدی تھی اس لیے معاملہ جوں کا توں رہ گیا۔

اگر چہ اس ناکام کوشش نے مہاراجہ کو بددل کر دیا تاہم انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور ہمیشہ اس بات کی کوشش میں لگے رہے کہ ان کا اقتدار انہیں دوبارہ حاصل ہو جائے۔ اسی درمیان لارڈ کارنوالس گورنر مقرر ہوئے۔ مہاراجہ ان سے ملنے کے لیے کلکتہ روانہ ہوئے جہاں چیت پور میں[2] وہ ۲۴ رسال تک اس امید پر مقیم رہے کہ ان کے حال پر رحم کیا جائے گا اور انہیں سالانہ رقم دی جائے گی۔

---

۱ عجائب الواردات فولیو: ۱۷۷

۲ کلیان سنگھ کے ایک شعر سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تیس سال تک کلکتہ میں مقیم رہے۔ شعر یوں ہے:

مدت سی سال شد ہستم بہ کلکتہ مقیم　　　تو کہ گویم ای عزیزان حال زار خویشتین

ان کا کیس کونسل کے حوالے کر دیا گیا اور بعد میں آئندہ جانچ کے لیے انگلینڈ بھیج دیا گیا۔ اس دوران ان کو ۱۸۰۰۰ /روپیہ سالانہ الاؤنس دیا جاتا رہا جو ان کی ضروریات اور شان کے ہم پلہ نہیں تھا۔ مہاراجہ موصوف کے بیان کے مطابق ان کو کلکتہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی۔ ان کے دو سو آدمی، چند ہاتھی اور گھوڑے کلکتہ کی ناموافق آب وہوا کا مقابلہ نہ کر سکے اور مر گئے[1]۔ وہ خود بھی مرض میں مبتلا ہو گئے اور ۱۲۱۷ فصلی میں سخت بیمار پڑ گئے۔ اس بیماری میں ان کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی[2]۔ اس کے علاوہ مسلسل پریشانیوں اور وطن اور افراد خانوادہ سے دور رہنے کی وجہ سے ان کی صحت بھی بالکل خراب ہوگئی۔ لہٰذا اپنے مستقبل سے مایوس ہوکر اور تبدیلیِ آب و ہوا کے لیے وہ ۱۲۱۸ فصلی میں پٹنہ لوٹ آئے۔ گھر آکر جب انہوں نے نقش و نگار سے مزین اپنی کوٹھی اور خوب صورت باغ کو برباد ہوتے دیکھا تو ان کو کافی صدمہ ہوا۔ اپنی رہائش کے لائق جب اپنا کوئی مکان نہیں رہا تو مہاراجہ نے پتھری گھاٹ میں کرایہ پر ایک مکان لے لیا جہاں وہ چند سال تک مقیم رہے لیکن بہت جلد وہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی عدم توجہی سے بددل ہو گئے۔ لہٰذا انہوں نے عظیم آباد کو پھر خیر باد کہا اور کلکتہ لوٹ آئے۔ مہاراجہ کلکتہ چلے تو آئے مگر اپنے وطن عظیم آباد، رشتہ داروں اور دوستوں، کمپنی کی بے انصافی اور وہ اقتدار و اختیارات جو ان کو حاصل تھے، ان سب کو اپنے دل سے نہ نکال سکے۔ ان تمام باتوں کا اظہار انہوں نے نہایت ہی دکھ کے انداز میں اپنی ایک لمبی نظم میں کیا ہے۔ نظم یوں ہے:

یاد ایامی که بودم در دیارِ خویشتن — نمودم سیر گلشن از بهارِ خویشتن
از تماشای گل و لاله دلِ من شگفت — می شیندم لاله و صوتِ هزارِ خویشتن
در دیار خویش بودم ناظم و فرماں روائی — داشتم ان سر زمین در اختیارِ خویشتن
می نهادم بر اوج ایں گردون آهِ افتخار — ناز می کردم بقدر و اقتدار خویشتن

---

[1] عجائب الواردات فولیو:۱۸۶

[2] خلاصۃ التواریخ فولیو:۱۶-الف

می نهادم با عزیزانِ وطن لطف و کرم — با سخا بودم وحیدِ روزگارِ خویشتن
حکمرانی می نهادم بر تمامی بندگان — می نهادم لطف بر خدمت گزارِ خویشتن
بے نوایان را بہ فیض دادم صلاح — می نهادم سیم و زر بر رہگذارِ خویشتن
نشۂ حسن و جمالِ کیف و دولت داشتم — می نهادم پیش جم از افتخارِ خویشتن
ہر روز شب بزمِ نشاط و عیش می آراستم — صرف می کردم ہمی لیل و نہارِ خویشتن
ہر سحر از خانہ می رفتم بسوی مرغزار — می نهادم آہوان چین بکارِ خویشتن
می کشیدم بادہ بے عیش ز دستی ساقیان — داشتم حور اجنبی در کنارِ خویشتن
کثرت رقاص و مطرب بود در بزمِ مدام — می نهادم ضرب عشرت روزگارِ خویشتن
در خسارت گنج ہای سیم و زر از من گرفت — کمپنی بر گشت از قول و قرارِ خویشتن
از وطن آوارہ ام کرد این شہر فتنہ جو — دورم افگندہ ز یار غمگسارِ خویشتن

مدت سی سال شد ہستم بہ کلکتہ مقیم
تاکہ گویم ای عزیزان حال زارِ خویشتن

(''مجموعہ قصائد فارسی'' قلمی نسخہ پٹنہ کالج لائبریری)

کلکتہ میں بیٹھ کر انہوں نے گورنر جنرل اور متعلقہ حکام کو کئی خطوط لکھے تا کہ ان کا الاؤنس پھر سے جاری ہو جائے۔ اپنی معاشی حالت کے پیش نظر وہ یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ:

''ان کی معاشی حالت بہت ہی خراب ہوگئی ہے ورنہ وہ کبھی بھی اس کی شکایت نہیں کرتے۔'' (کیلنڈر جلد چہارم صفحہ:۱۷۵)

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ:

''سوائے اس الاؤنس کے ان کے کھانے پینے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ اپنے الاؤنس کی قلیل رقم سے وہ اپنی ضروریات زندگی پوری کرتے ہیں۔ اور اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ چار ماہ ہوئے کہ ان کو الاؤنس کا ایک پیسہ بھی نہیں ملا ہے۔ اپنے مہاجنوں کے تقاضوں نے ان کو کافی پریشان کر رکھا ہے۔ ان کے خادم بھی تنخواہ کے لیے ضد کر رہے ہیں۔'' (ایضاً)

اپنی زندگی کے آخری دنوں تک کلیان سنگھ اس قسم کی درخواستیں لکھ کر گورنر جنرل کو بھیجا کرتے رہے۔

وفات

جہاں تک مہاراجہ کی وفات کا سوال ہے، اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عزیز الدین بلخی[1]، وزیر علی[2] اور عبرتی[3] دونوں کا بیان ہے کہ مہاراجہ کی وفات ۷۳ رسال کی عمر میں یعنی ۱۲۰۷ھ میں ہوئی جب کہ بلخی اور "Bihar Through the Ages" کے مصنف کے مطابق ان کی وفات ۱۸۱۲ء/ ۱۲۲۷ھ میں ہوئی۔ اختر اورینوی، پروفیسر حسن عسکری کے خیال سے اتفاق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مہاراجہ موصوف ۱۲۳۷ھ یعنی ۱۸۲۲ء میں فوت ہوئے۔ ''معراج الخیال'' کے مصنف کا خیال غلط اور بے بنیاد ہے۔ بہر حال تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ مہاراجہ کا انتقال ۷۳ رسال کی عمر میں ہوا اور خود موصوف کے قول کے مطابق ان کی پیدائش ۱۷۵۹ء میں ہوئی تھی۔ لہٰذا اگر ۱۷۴۹ء میں ۷۳ رجوڑ دیا جائے تو ۱۸۲۲ء ہو جاتا ہے اور یہی مہاراجہ موصوف کی وفات کی صحیح تاریخ ہے۔

مہاراجہ موصوف کے حقیقی چچا مہتاب رائے کے خانوادے کے ایک فرد این. سکسینہ نے راقم الحروف کو بتایا کہ مہاراجہ کی موت کے وقت صرف ان کی مسلم بیوی موجود تھیں جن کی خواہش تھی کہ مہاراجہ کو دفن کیا جائے مگر چوں کہ وہ پردہ نشیں تھیں اس لیے کسی نے ان کی نہیں سنی لہٰذا وہ اپنی خواہش پوری نہیں کرسکیں۔ مہاراجہ کے خاندانی پروہتوں نے ان کو کلکتہ کے نزدیک دریا ہگلی کے کنارے واقع کسی شمشان گھاٹ پر چتا کے سپرد کر دیا۔

❖❖❖

---

۱ مصنف تاریخ شعرائے بہار

۲ مصنف معراج الخیال (قلمی نسخہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال)

۳ تذکرہ ہندو شعرائے بہار

باب سوئم

مثنوی پر ایک نظر

پیش نظر مثنوی کا واحد اور اصل قلمی نسخہ مہاراجہ کلیان سنگھ کے عم بزرگوار مہتاب رائے کے سلسلۂ خاندان کے ایک فرد بابو رامیشور پرشاد (ساکن دیوان محلہ، پٹنہ سٹی) کی ملکیت تھا جسے اردو کے مشہور محقق قاضی عبدالودود نے حاصل کر کے اپنے رسالہ 'معاصر' (۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۷ء) میں قسط وار شائع کر دیا۔ اس طرح اللہ کا شکر ہے کہ ادب کا ایک انمول جواہر پارہ برباد ہونے سے بچ رہا۔ جب راقم الحروف نے اپنے تحقیقی مقالے ''مہاراجہ کلیان سنگھ: فارسی کا ایک نامور دانش ور'' کی تیاری کے سلسلے میں پٹنہ کا دورہ کیا اور رامیشور بابو کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو پتہ چلا کہ موصوف اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ ان کے بیٹوں کی زبانی یہ سن کر اور بھی دکھ ہوا کہ مثنوی کا وہ قلمی نسخہ بھی کسی سیلاب میں ضائع ہو گیا۔ راقم الحروف کے سامنے سوائے اس شائع شدہ مثنوی کے اور کوئی دوسرا نسخہ نہیں رہ گیا تھا لہٰذا اسے ''معاصر'' سے نقل کرنا پڑا۔ چوں کہ قاضی صاحب نے اس مثنوی کو نہ تو شاعر کے حالات زندگی کے ساتھ شائع کیا گیا تھا اور نہ ہی اس پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ لہٰذا اسی کمی کے پیشِ نظر اس مثنوی کو دوبارہ شائع کرنے کی مجھ میں تحریک پیدا ہوئی۔ مثنوی کے نسخے سے متعلق قاضی عبدالودود صرف اتنی معلومات فراہم کرتے ہیں کہ اس کے متعدد اوراق مختلف مقامات سے غائب ہو گئے ہیں اور کچھ اوراق پھٹے ہوئے اور کرم خوردہ ہیں۔ کاتب نے بھی لکھتے وقت کہیں کہیں الفاظ چھوڑ دیے ہیں۔ اس کے اوراق ۹۷/ تھے۔ ورق ۹۷/ کی ابتدا نوشتۂ کاتب سے ہوتی ہے۔ مسطر پندرہ سطروں کا ہے۔ اس مثنوی کے اشعار کی تعداد ۲۳/ سو سے کم نہ ہوگی لیکن آج کل جو اشعار باقی ہیں وہ

۱۷ سو کے قریب ہیں۔ خاتمے کی عبارت یہ ہے :

"تمام شد مثنوی ریختہ از تصانیف انتظام الملک امیر الدولہ مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر تہور جنگ نصف شہر رمضان سنہ یکہزارو دو صدی و سی و دو ہجری روز سہ شنبہ در مقام چیت پور متعلقہ خیر البلاد کلکتہ ونقل ہذا بتاریخ بیست و یکم ماہ نومبر روز سہ شنبہ بہ وقت تمام شد"

(مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ ص:۱)

یہ مثنوی، عشقیہ واقعات پر مبنی ہے اور ناقص الطرفین ہے۔ اس کا اصل نام اس لیے معلوم نہ ہو سکا کہ مسودے کے شروع کے دو صفحات غائب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحب نے اسے "مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ" کے نام سے شائع کیا تھا۔ مثنوی کے خاتمے کی عبارت سے پتہ چلتا ہے مہاراجہ موصوف نے ۱۲۳۲ھ میں کلکتہ کے ایک مقام چیت پور (جو ابھی بھی اسی نام سے موسوم ہے) میں اپنے قیام کے دوران اس کتاب کی املا کسی کاتب سے لکھوائی تھی۔ اس لیے کہ اخیر وقت میں ان کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی۔ کاتب نے جہاں جہاں الفاظ چھوڑے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے اس کے قلم نے شاعر کی زبان کا ساتھ نہیں دیا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مہاراجہ برجستہ اور فی البدیہہ شاعر تھے اور ان کی شاعری آمد کی شاعری تھی۔

اس مثنوی کے لیے مہاراجہ نے وہی بحر استعمال کی ہے جو میر حسنؔ کی مثنوی "سحر البیان" کی ہے یعنی بحر متقارب۔ اردو کی بیش تر مثنویاں اسی بحر میں ہیں۔

اگر چہ کلیان سنگھ کی شہرت ان کی مشہور تصنیف "خلاصۃ التواریخ" پر مبنی ہے اور وہ بنیادی طور پر فارسی کے شاعر و ادیب تھے تاہم اردو شاعر کی حیثیت سے بھی وہ اچھے شاعروں میں شمار کیے جانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ یہ اردو ادب کی بدقسمتی ہے کہ ان کا اردو کلام ضائع ہو گیا اور سوائے اس مثنوی، چند غزلوں اور متفرق اشعار کے جو تذکروں

میں جہاں تہاں بکھرے پڑے ہیں، کچھ محفوظ نہ رہ سکا۔ بہر حال صرف یہی مثنوی ان کی شاعری پر روشنی ڈالنے اور ان کے فن کو زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

مہاراجہ موصوف نے مثنوی کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کا آغاز حمد، نعت و منقبت سے کیا ہے۔ حمد کا حصہ تو اصل مسودے سے غائب ہے البتہ نعت کے اشعار باقی رہ گئے ہیں جن کی تعداد ۱۸/ ہے۔ ۱۲۰/ اشعار حضرت علی اور ان کے افراد خانوادہ کی تعریف میں ہیں۔ اس کے بعد مثنوی کی اصل کہانی شروع ہوتی ہے۔ مثنوی کے اخیر میں، جیسا اس زمانے کا عام قاعدہ تھا، مہاراجہ موصوف نے اس کی مقبولیت کی دعا مانگی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ پریشانیوں اور بدحالی کا رونا بھی رویا ہے اور خدا سے التجا کی ہے کہ وہ ان کو پھر سے ان کے شہر (عظیم آباد) میں آباد کر دے۔ ان کو عزوشرف سے نوازے اور ان کی کھوئی ہوئی عظمت اور گیا ہوا وقار لوٹا دے اور ان کے چشم کور کو نور عطا کر دے۔ سب سے اخیر میں شاعر نے اپنی مثنوی اور اردو کی ہر دل عزیزی کی تعریف کی ہے :

یہ شعرائے دہلی کی گفتار ہے   کہ سن اس کو طوطی شکر بار ہے
یہ اردو کی بولی ہے رنگیں نپٹ   مٹھائی کے بل سے ہے شیریں نپٹ
فصاحت بلاغت ہے اس میں بھری   صفا اور لطافت ہے اس میں بھری

یہ مثنوی، جیسا کہ اس کے خاتمے کی عبارت سے ظاہر ہے، بروز منگل ۱۲۳۲ھ میں لکھی گئی یعنی ''سحر البیان'' کی تصنیف کے ۳۲ سال بعد اس کی تخلیق ہوئی۔ ویسے تو یہ زبان و بیان کے لحاظ سے ''سحر البیان'' کا چربہ معلوم ہوتی ہے مگر یہ کلیان سنگھ کا اپنا کمال ہے کہ انہوں نے اس فرسودہ قصے میں عمدہ زبان استعمال کر کے جان پیدا کر دی ہے۔ پوری مثنوی کی املا چوں کہ دوسرے شخص نے لکھی تھی اس لیے ایسا بھی ہوا کہ مہاراجہ نے لکھوایا کچھ اور منشی نے لکھا کچھ۔ اس طرح کہیں کہیں زبان کی خامیاں رہ گئیں ہیں۔

عاشق کی مثنوی اپنے قصے کے لحاظ سے کوئی نئی شے نہیں ہے۔ وہی عام باتیں ہیں جو اس دور کی داستانوں میں نئے انداز سے دہرائی گئی ہیں۔ اس عشقیہ مثنوی کا قصہ

طبع زاد نہیں ہے اور اس کے مختلف واقعاتی ٹکڑے اردو کی کئی نام ور مثنویوں کے حصوں سے ماخوذ ہیں۔ مثنوی کی ابتدا فیروز نامی ایک بادشاہ کے روایتی تعارف سے ہوتی ہے۔ خدائے بزرگ نے اس بادشاہ کو دنیا کی ہر راحت و نعمت سے نوازا ہے۔ اگر اسے کسی چیز سے محروم رکھا ہے تو صرف اولاد سے۔ اولاد خاندان کا چشم و چراغ ہوتی ہے۔ بادشاہ کے لیے اولاد کی اہمیت تو اور بھی زیادہ ہوتی ہے اس لیے کہ بیٹا ہی تخت و تاج کا وارث ہوتا ہے۔ اس مثنوی میں بھی نجومیوں کی پیشین گوئی، پری کا عاشق ہونا، شہزادے کو تخت پر اُڑا کر لے جانا، شہزادے کا دوسری شہزادی یا پری پر فدا ہونا، دو دو تین تین شادیاں کرنا یہ ایسی باتیں ہیں جو اس وقت کی ہر داستان میں بکثرت پائی جاتی ہیں لیکن کلیان سنگھ نے ان چیزوں کو اپنی مثنوی میں اس طرح کھپایا ہے کہ قاری کو ہر واقعہ نیا اور بالکل اچھوتا معلوم ہوتا ہے۔ قصّے کا خلاصہ یوں ہے :

مصر کا بادشاہ فیرؔوز نہایت جاہ و حشم اور رعب و دبدبے والا ہے۔ اللہ نے اسے دنیا کی تمام نعمتوں سے سرفراز کیا ہے۔ اس کی زندگی اگر خالی ہے تو صرف ایک اولاد سے۔ اولاد کے لیے وہ ہر تدبیر کرتا ہے مگر سب میں اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک دن بادشاہ بیگم باغ کی سیر کو جاتی ہے، جہاں اس کی ملاقات ایک خدارسیدہ بزرگ سے ہوتی ہے۔ بزرگ کو بادشاہ بیگم کی صورت دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ وہ اولاد نہ ہونے کے غم میں رنجیدہ خاطر ہے۔ ان کو ملکہ پر ترس آجاتا ہے۔ وہ اسے ایک پھل کھانے کو دیتے ہیں جس کے اثر سے ملکہ کی دیرینہ تمنا پوری ہوتی ہے۔ وہ حاملہ ہوتی ہے اور ٹھیک نو ماہ کے بعد ایک خوب صورت سے بچے کو جنم دیتی ہے۔ بچے کی پیدائش سے بادشاہ اور بیگم دونوں کی بے کیف زندگی میں بہار آجاتی ہے۔ اس خوشی میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ جشن منایا جاتا ہے، تحفے، دولت اور جواہر تقسیم کیے جاتے ہیں۔ بچے کی پرورش اور اس کی تعلیم و تربیت پر خاص دھیان دیا جاتا ہے۔ اس شہزادے کی خوب صورتی سے متاثر ہو کر ایک سوداگر کی لڑکی اس پر عاشق ہو جاتی ہے۔ اس کی دایہ جب اس راز سے

آگاہ ہوتی ہے تو اس کے والدین کی اجازت سے شاہی محل میں جا کر سوداگر بچی کی طرف سے تحائف پیش کرتی ہے۔ اس کے بعد مسودے سے کچھ اوراق غائب ہیں۔ پھر یکا یک ہم ایک بارات کے جلوس سے دو چار ہوتے ہیں۔ شہزادہ سوداگر کی لڑکی کو بیاہ کر لاتا ہے لیکن پہلی شب نزاکت پری شہزادے کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتی ہے اور اسے تخت پر بٹھا کر پرستان لے جاتی ہے۔ وہ اتنی حسین و جمیل ہے کہ شہزادے پر اس کے حسن کا جادو چل جاتا ہے۔ وہ اسے دیکھ کر اپنی نئی دلہن کو بھول جاتا ہے اور یہ بات قرار پاتی ہے کہ وزیر زادے کو بلوایا جائے اور شہزادے اور نزاکت پری کا نکاح ہو جائے۔ ان دونوں کی شادی میں جو مہمان بلائے جاتے ہیں ان میں روشن ضمیر کی خوب صورتی سے کافی متاثر ہے اور اس پر مائل ہے۔ نزاکت پری کو جب دونوں کی محبت کا علم ہوتا ہے تو اسے دکھ ہوتا ہے مگر کسی نہ کسی طرح (یہاں پر کچھ اوراق غائب ہیں) راضی ہو جاتی ہے اور اس طرح روشن ضمیر کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ نزاکت پری شہزادے کو مصر سے لائی تھی، تو وہ اسے پھر مصر لے جاتی ہے۔ وہاں تھوڑے دن قیام کے بعد دونوں پرستان لوٹ آتے ہیں۔ دوسری بار نزکت پری بھی ان کے ساتھ مصر جاتی ہے۔ سب وہیں رہنے لگتے ہیں۔ شہزادے کی تینوں بیویاں ایک ساتھ حاملہ ہوتی ہیں اور بعد انقضائے مدت حمل ان سے اولاد ہوتی ہے۔ سب خوش و خرم مصر میں رہنے لگتے ہیں۔

کلیان سنگھ نے قصہ آرائی میں ان تمام ضروری باتوں کا جو مثنوی کے اجزائے ترکیبی مانے جاتے ہیں، خیال رکھنے کی بھر پور کوشش کی ہے اور بہت کم مواقع ایسے آئے ہیں جہاں ان سے چوک ہوئی ہو پھر بھی قصہ آرائی کے لحاظ سے ان کی مثنوی نہ تو ''سحرالبیان'' کے ہم پلّہ قرار دی جا سکتی ہے اور نہ ہی ''گلزار نسیم'' سے اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ قصہ اور دوسری باتوں سے ہٹ کر اس مثنوی کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ یہ مثنوی کلیان سنگھ کے شاعرانہ کمال اور قدرت کا صحیح نمونہ پیش کرتی ہے۔

ماحول کی عکاسی مثنوی کے لیے جزلاینفک کی حیثیت رکھتی ہے۔ جہاں تک ماحول

کی عکاسی کا سوال ہے، مہاراجہ موصوف کی مثنوی کسی دوسری مثنوی کے مقابلے میں کم تر نظر نہیں آتی۔ اردو کی دوسری مثنویوں کی طرح اس مثنوی نے بھی جس گہرائی اور گیرائی کے ساتھ اپنے زمانے کے ماحول کی صحیح تصویر کشی کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جہاں کہیں بھی بادشاہ کا ذکر آیا ہے اس کی شان، عظمت اور رعب و دبدبہ نہایت خوب صورت ڈھنگ سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے وہ تمام اوصاف گنوا دیے گئے ہیں جو اس دور کے بادشاہوں اور امرا میں ہوتے تھے۔ ماحول کی عکاسی اور تہذیب کی تصویر کشی میں کلیان سنگھ کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ دیکھیے بادشاہ کے جاہ و جلال کا ذکر کس ڈھنگ سے کرتے ہیں:

کہ تھا کشورِ مصر کا بادشاہ ۔۔۔ کواکب سپاہ و فلک بارگاہ
سلیماں شکوہ و جم اقتدار ۔۔۔ خدیو جہاں خسروِ تاجدار
کرم پیشہ و صاحب عدل و داد ۔۔۔ تجمل میں تھا ہم سر کیقباد
قمر منزلت شاہ گردوں خیم ۔۔۔ کیومرث شوکت فریدون حشم
جم اقبال و شاہ سکندر خصال ۔۔۔ بزرگی میں عظمت میں دارامثال
سخاوت میں حاتم سے بہتر تھا وہ ۔۔۔ شجاعت میں رستم سے بہتر تھا وہ
جہاں پہلواں اور صاحب قراں ۔۔۔ سزاوار اورنگ و تاج کیا

....

خدا نے کیا اس کو عالم پناہ ۔۔۔ کہ سلطان تھا ہفت کشور کا شاہ
دیا حق نے صد گنجِ قاروں اسے ۔۔۔ تونگر کیا رب نے جوں اسے
غرض مال و دولت سے تھا بے نیاز ۔۔۔ کیا تھا خدا نے اسے سرفراز

(مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ ص: ۱۷)

کلیان سنگھ بادشاہ کی سخاوت کا بیان بھی خوب کرتے ہیں۔ بادشاہ کو شہزادے کی ولادت کی خبر جب ملتی ہے تو وہ فرط مسرت سے جھوم اُٹھتا ہے اور خوشی سے سرشار ہوکر

خزانے کا منہ کھول دیتا ہے:

جواہر سے بھر خوان زر ایک بار
کیا شاہ زادے کے سر پر نثار

نظر آئی .... واں کھڑی
سماں راگ کا بندھ گیا اس گھڑی

دیا ان کو انعام اس ماہ نے
تفضل کیا ان پر شاہ نے

اشرفی توڑے عنایت کیے
جھلا جھل کے جاڑے عنایت کیے

....

زر و سیم سے بھر کے توڑے دیے
زری تاش کے ان کو جوڑے دیے

عنایت جواہر کا زیور کیا
فقیروں کو بھی تونگر کیا[1]

شہزادے کی تعلیم کا حال سنیے:

کئی دن لگا کر کے جان
گلستان[2] میں پڑھی اس نے اور بوستاں

پڑھی اس نے سب فارسی کی کتاب
ہوا ماہر اس علم سے وہ شتاب

پڑھا صرف و نحو اس شاہ نے
لیا درس حکمت کا اس ماہ نے

معانی و منطق حدیث و فقہ
رمل اور جفر، ہیت و ہندسہ

الٰہی ریاضی طبعی و نجوم
کیے اس نے تحصیل سارے علوم[3]

میر حسن کی طرح کلیان سنگھ نے بھی جس موقع پر جس چیز کی منظر کشی کی ہے، بھرپور کی ہے۔ عبارت مربوط ہے۔ اولاد کے لیے بادشاہ کا مضطرب و بے چین رہنا، پھر اس کی ولادت پر خوشیوں کا اظہار کرنا اور انعام و اکرام دینا، رقص و سرور کی محفلیں گرم کرنا، شہزادے کی تعلیم و تربیت، محل کو آراستہ کرنا، زرنگار اور جڑاؤ چیزوں کا استعمال، ہیرے جواہرات کی کثرت اور ان کی مختلف قسمیں، لباس شراب، شادی کی رسوم آتش بازی کا

---

۱ مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ ص:۱۹

۲ یہاں لفظ ''بھی'' ہوگا۔ ''میں'' کا اندراج کاتب کی عدم توجہی کی وجہ سے ہے۔

۳ مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ ص:۱۹

چھوٹنا، مختلف قسم کے باجوں کا بجنا اور ڈومنیوں کا گیت گانا، یہ تمام باتیں وہی ہیں جو کلیان سنگھ کے عہد کی روح تھیں۔ نوابوں اور جاگیرداروں کا زمانہ تھا اس لیے ان کے یہاں ان کی کافی اہمیت تھی۔ مہاراجہ موصوف نے نہایت خوب صورتی سے ان تمام مناظر کو اپنی مثنویوں میں قلم بند کیا ہے :

کردار نگاری بھی مثنوی کی جان ہوتی ہے۔ اردو کی بہت سی مثنویوں کے کردار اردو ادب میں امر ہو کر رہ گئے ہیں مگر کلیان سنگھ نے جو کردار اپنی مثنوی میں پیش کیے ہیں ان میں سے کوئی کردار مثالی نہیں ہے۔ نہ تو کسی کردار کو حیات جاودانی نصیب ہے اور نہ کوئی کردار عوام کی زبان پر ہے۔ مثنوی کے افراد قصہ میں سوداگر بچی، شہزادہ سرو آزاد، نزاکت اور روشن ضمیر مختلف کردار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن مثنوی نگار نے ان کے سراپا کے بیان میں بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ اس اختصار کی وجہ سے کسی بھی کردار کا ظاہری حسن و جمال صاف اور نمایاں نہیں ہے۔ ہر ایک کا حسن یکساں نظر آتا ہے:

> ''حسن وصورت میں اس قسم کی یکسانیت ایک دوسرے کے لیے باعث رغبت و محبت نہیں ہوتی ہے۔ محبت میں کشش کا فقدان ہو تو عشق میں حوصلہ اور لگن کس طرح ہو سکتا ہے۔''

سرو آزاد کسی نئے کردار کا نام نہیں ہے۔ مہاراجہ کو بدر منیر اور بے نظیر، جو اردو کی معرکتہ الآرا مثنوی ''سحر البیان'' کے لافانی کردار ہیں، سے اتنا لگاؤ ہے کہ انہوں نے ان کرداروں کے نام کو نہایت خوب صورتی سے اپنی مثنوی میں کھپایا ہے۔ مثلاً :

وہ صورت میں ہو رشکِ بدرِ منیر
خصائل ، شمائل میں ہو بے نظیر

اس کہانی میں کردار نگاری کو ضمنی حیثیت دی گئی ہے۔ ایسا لگتا ہے بس ان کو ایک مثنوی لکھنا تھی اور اس کے ذریعہ اپنی شاعری کا کمال دکھانا مقصود کر دکھایا۔ مثنوی کے افراد قصہ میں شہزادہ سرو آزاد، سوداگر کی بچی، نزاکت اور روشن ضمیر پریاں مختلف کردار کی

حیثیت کی حامل ہیں لیکن کلیان سنگھ نے ان کرداروں کے سراپا نگاری کے بیان میں اس اختصار سے کام لیا ہے کہ ہر ایک کے حسن میں یکتائی اور یکسانیت نظر آتی ہے جس کی وجہ سے کرداروں کے درمیان رغبت و محبت کی کمی پائی جاتی ہے۔ بلا شبہ ان کی مثنوی میں ان کی شاعرانہ عظمت کی جھلک ملتی ہی لہٰذا کردار نگاری کا جہاں تک تعلق ہے کلیان سنگھ عاشق کو اپنے کرداروں کی تشکیل و تعمیر میں ناکامی ہوئی ہے۔

شاعری میں جنسی جذبات کا اظہار نہایت ہی مشکل فن ہے۔ اردو کے بہت سے شعرا اس میدان میں بے بس نظر آتے ہیں مگر کلیان سنگھ نے اس مشکل کو بھی آسان کر دکھایا ہے۔ شہزادہ سرو آزاد اور نزاکت پری کے جنسی ملاپ کا حال سنیے:

پلنگ پر لٹائی نزاکت پری　　ہوا شاہ سرگرمِ عشرت گری
ہوا شہ ہم آغوش دلدار سے　　لیے بوسے اس مہ کے رخسار کے
نظر آیا شفتالوئے آبدار　　مزہ اس کا شہ نے لیا ایک بار
ملے ہاتھ میں اس کے دونوں انار　　ہوئی وہ سمن درد سے بے قرار
کیا نوش جاں شاہ نے مل　　اوٹھائیں خوشی سے دے دو شاخ گل
کیا وا شتابی سے بندِ ازار　　شگوفے نے اپنی دکھائی بہار
طبرزد ہوا شاہ کا تب کھڑا　　شگوفے میں داخل ہوا جوں صبا
صبا کی طرح اس نے کھولی کلی　　ہوئی اس پری کو عجب بے کلی
کیا وہ طبرزد بروں سے دروں　　ہوا غنچہ تب تہہ بہ تہہ غرق خوں
کیا شاہ نے پی کے عشرت کا جام　　مہم زفاف اس پری کا تمام

(مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ "معاصر" جلد: دوم ستمبر ۱۹۴۱ء ص: ۴۰-۳۹)

عاشق اور معشوق کے وصال کے منظر کو دیکھنے کے بعد یہ کہنے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی ہے کہ جس عریانیت اور ہوس نا کی کا ذکر عاشق نے اپنی مثنویوں میں کیا ہے، شاید ہی اردو کی کوئی دوسری عشقیہ مثنوی اس کا مقابلہ کر سکے:

"عملی اختلاط کے نقشہ کو کھینچتے وقت اس بات کا خیال بھی نہیں رکھا کہ بوالہواسی اور کام جوئی کی یہ تفصیل شہوانی جذبے کو تقویت پہنچائے گی۔ اس عریانی سے مثنوی نگار نے سوائے اپنی جنسی لذت کشی کے اظہار کے دوسرا کام نہیں لیا ہے۔ ہر معشوق کے ساتھ مواصلت کی بالتفصیل تصویر اس بات کا غماز ہے کہ پوری مثنوی میں مثنوی نگار کو ایسے ہی منظر کشی سے حظ ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باری باری سے ہر محبوبہ کے ساتھ ہیرو کے اختلاط کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ مثنوی نگار نے عملی اختلاط کے موقع پر عورت اور مرد کے اعضائے مخصوصہ کا نام لے کر جنسی آسودگی فراہم کی ہے۔"

("اردو مثنویوں میں جنسی تلذذ" از: ص:)

مہاراجہ کی مثنوی میں اس قسم کے عریاں، فحش اور مخرب اخلاق اشعار جا بجا پائے جاتے ہیں مگر مثنوی کی عریانیت پر اعتراض کرنے سے پہلے ہمیں اس زمانے کے ماحول پر نظر رکھنا ہوگی۔ اس دور میں لکھی گئی شاید ہی کوئی ایسی مثنوی ملے گی جو عریاں اور فحش اشعار سے خالی ہو۔ مہاراجہ نے ایسا انداز بیان قصداً اختیار نہیں کیا بلکہ ماحول سے مجبور ہو کر ان کو ایسا کرنا پڑا۔ عہدِ شجاع الدولہ اور آصف الدولہ میں زمین داروں اور امرا کا اخلاقی معیار اگر دیکھنا ہو تو مہاراجہ کی مثنوی انتہائی مفید ثابت ہوگی۔

عاشقؔ بنیادی طور پر فارسی کے شاعر تھے اس لیے پیش نظر مثنوی پر فارسی کا اثر غالب ہونا ناگریز تھا تاہم انہوں نے ہندی الفاظ کے استعمال سے احتراز نہیں کیا۔ اس زمانے میں مستعمل ہندی کے وہ تمام الفاظ جو اکثر وبیش تر مثنویوں میں استعمال کیے جاتے تھے، اس مثنوی کی بھی زینت ہیں مثلاً لگاوٹ، جماوٹ، چھپر کٹ، بدھاوا، پنٹ، کھپت، پھبن، چمٹ وغیرہ موقع محل سے نہایت خوب صورتی سے استعمال کیے گئے ہیں۔ عاشقؔ نے چند ایسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جو آج کل متروک ہیں جیسے بھائیاں، آئیاں وغیرہ۔

کلیان سنگھ عاشقؔ کا سب سے بڑا کمال عمدہ اور سلیس زبان کا استعمال ہے جو انہوں نے اپنی مثنوی میں کیا ہے۔ ان کی مثنوی کی زبان میں اتنی سلاست اور روانی ہے

اور ربط کا یہ عالم ہے کہ پوری مثنوی موتی کی لڑی معلوم ہوتی ہے۔ زبان کی پاکیزگی، انداز بیان کی جاذبیت، فصاحت و بلاغت، روزمرہ محاورات والفاظ کا موزوں استعمال، خوب صورت اور نادر تشبیہات اور بہترین طرز ادا مہاراجہ کی شاعری کی خصوصیات ہیں۔ دماغ اس مثنوی کو سو برس پہلے کی تصنیف باور کرنے سے جھجکتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ مثنوی آج کے دور کی تخلیق ہو۔ ''سحرالبیان'' کی زبان میں جو چاشنی، سلاست اور روانی ہے مہاراجہ کی مثنوی اس سے کسی بھی طرح کم تر نہیں۔ اگر یہ مثنوی تخلیق کے فوراً بعد منظر عام پر آجاتی اسے بھی وہی شہرت نصیب ہوتی جو دوسری مثنویوں کا حاصل ہے۔

مہاراجہ موصوف نے اس کی خود تعریف کی ہے:

یہ شعرائے دہلی کی گفتار ہے — کہ سن اس کی طوطی شکربار ہے
یہ اردو کی بولی ہے رنگین نپٹ — مٹھائی کے بل سے ہے شیریں نپٹ
فصاحت بلاغت ہے اس میں بھری — صفا اور لطافت ہے اس میں بھری[1]

اپنی مثنوی کی مقبولیت کی دعا تقریباً ہر شاعر نے کی ہے۔ کلیان سنگھ نے بھی یہی آرزو کی ہے۔ فرماتے ہیں:

کر اس مثنوی کو مری پراثر — سخن کو مرے بخش آب و گہر[2]
اسی طور خوش رکھنا مجھ کو مدام — الٰہی اثر بخش ہو یہ کلام
پڑھیں مثنوی میری سب خاص و عام — کریں خیر سے یاد مجھ کو مدام[3]

ادب اپنے زمانہ کا آئینہ ہوتو ہے۔ اس میں زمانے کے حالات کے ساتھ ساتھ خود شاعر کی زندگی بھی منعکس ہوتی ہے۔ مثنوی کے چند آخری اشعار مہاراجہ کی اخیر زندگی کی تاریخ ہیں۔ ان کی مسلسل پریشانی، بدحالی اور غریب الوطنی کے عکاس ہیں۔ ان سے پتہ چلتہ ہے کہ شاعر کی زندگی کے آخری ایام کلکتہ میں کس کسمپرسی میں گذر رہے تھے۔ ان

۱۔ مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ صفحہ: ۶۹

۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً

کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی تھی۔ اپنا وطن چھوٹ گیا تھا اور اقتدار ہاتھ سے جاتا رہا تھا۔ جس پر اثر انداز میں مہاراجہ نے ان تمام چیزوں کی واپسی کے لیے اللہ سے دعا مانگی ہے وہ ان کا ہی حصہ ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

الٰہی مجھے بھی تو دل شاد کر
مرے شہر میں مجھ کو آباد کر

صفا دے مرے قصر و ایوان کو
کر آراستہ میرے دیوان کو

مجھے بھی بٹھا زر کی مسند پہ واں
مرا حکم ہو مثلِ دریا رواں

مرے گلستاں کو نئی دے بہار
شگفتہ مرے دل کو کر ایک بار

ذرا مہر سے اپنے اے ذوالجلال
مرے مدعی کو تو کر پائمال

دے اپنی عنایت سے فتح و ظفر
سنا دے نئی اب خوشی کی لہر

کر اس مثنوی کو مری پر اثر
سخن کو مرے بخش آب و گہر

مرے دل کو آرام دے جی کو چین
منور کر اب لطف سے میرے نین

کرم سے تو اپنی اے حاجت روا
کر اب دین و دنیا کی نعمت عطا

تو اب کردے روشن مری دونوں عین
طفیلِ حسن اور طفیلِ حسینؑ [1]

ایک اچھی مثنوی کے لیے جن جزیات وتفصیلات کی ضرورت پڑتی ہے۔ عاشق کی مثنوی میں اُن کا کم وبیش خیال رکھا گیا ہے۔ اگر اس میں کسی قسم کی خامی ہے تو اسے اس لیے درگزر کر دینا چاہیے کہ یہ ایک اندھے شاعر کی تخلیق ہے جس نے اس کی املا خود نہیں لکھی تھی بلکہ اپنے منشیوں سے لکھوائی تھی۔ بہر حال کردار نگاری، منظر نگاری اور واقعہ نگاری میں پائی جانے والی معمولی کمزوریوں اور بعض فنی خامیوں سے قطع نظر مثنوی کے تجزیاتی مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مہاراجہ کلیان سنگھ کی یہ مثنوی اپنے عہد کی شاہ کار مثنویوں کی صف میں جگہ پانے کا استحقاق رکھتی ہے۔

❖❖❖

---

[1] مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ صفحہ: ۷۰

مثنوی مہاراجہ کلیان سنگھ عاشقؔ

(متن)

مثنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہوا تیرے جلوے سے بے خود کلیم — کیا اس نے اس شعلے سے خوف و بیم
دمِ وصل موسیٰ ہوا بے خبر — تجلّی سے تیری گرا کوہ پر
محمدؐ سزاوار دیدار ہے — کہ تیرا وہ یارِ وفادار ہے
دہاں کو کریں پاک کوثر سے ہم — معطر کریں مشکِ اذفر سے ہم
کریں مضمضے آبِ زمزم سے ہم — کریں غرغرے حلق قلزم سے ہم
کہ لکھتے ہیں نعتِ رسولِ خدا — مغیث الورا خواجۂ دوسرا
محمدؐ ہے محبوبِ پروردگار — محمدؐ ہے مطلوبِ پروردگار
محمدؐ کو پیدا کیا نور سے — خدا نے ہویدا کیا نور سے
محمدؐ کو حق نے دیا تخت و تاج — ملا اس کو شہرِ مدینہ کا راج
محمدؐ کو حق نے خلیفہ کیا — محمدؐ کو اورنگ وافر دیا
محمدؐ ہے شاہ ، ملائک سپاہ — محمدؐ ہے ماہ ، فلک بارگاہ
محمدؐ ہے سلطانِ دنیا و دیں — حبیبِ خدا ، سیّد المرسلیں
محمدؐ سزاوار تاج الورا — امام الہدیٰ ، خاتم الانبیاء
محمدؐ مقرب ہے اللہ کا — پیارا ہے ہر اک ہواخواہ کا
علی کا ہے بھائی رسولِ زمن — محمدؐ ہے جدِّ حسین و حسن
محمدؐ ہے خیرالنساء کا پدر — محمدؐ ہے ہر قوم کا راہبر
پھرے جو کوئی اس سے کافر ہے وہ — خدا کی خدائی کا منکر ہے وہ

محمدؐ کے در پر جھکائیں ہیں سر　　ادب سے شب و روز شمس و قمر

محمدؐ ہے شہنشہ ملک و دیں　　محمدؐ کا بندہ ہے روح الامین

کنیزک محمدؐ کی بلقیس ہے　　محمدؐ کا خیّاط ادریس ہے

محمدؐ کے مطبخ کا سقّہ ہے خضر　　وہاں آب زمزم کا لاتا ہے خضر

محمدؐ کی سب سے بڑی شان ہے　　محمدؐ کا چاکر سلیمان ہے

محمدؐ کے کیوں کر کریں ہم کمال　　محمدؐ ہے معشوقۂ ذوالجلال

درود و تحیت ہو شام و سحر　　محمدؐ پر اور ان کی سب آل پر

زباں کو میں دھوتا ہوں لے کر گلاب　　کہ کہتا ہوں اب مدحتِ بوتراب

گلِ گلستانِ شرافت علی　　سزاوارِ تختِ خلافت علی

وصیِ محمدؐ ہے سلطانِ دین　　جہاں میں محمدؐ کا ہے جانشین

خلیفہ خدا کا ہے مثلِ رسول　　امامِ دوعالم ہے زوجِ بتول

بڑا عرش سے اس کا ہے مرتبہ　　کہ گھر میں خدا کے تولد ہو

(ورق:۴۱)

منزہ کثافت سے ہے اس کی ذات　　...... اس کی اللہ نے سب صفات

برادر محمدؐ کا وہ شاہ ہے　　دلیل السّبل حجت اللہ ہے

شجاعت میں وہ شاہ ہے شیرِ نر　　کہ دی اس کو خالق نے تیغِ دوسر

کرامت میں وہ شاہ ہے بے نظیر　　سخاوت میں ہے مثلِ ابر مطیر

عبادت میں رب کی وہ ہے بے مثال　　لکھوں کس طرح اس کے سارے کمال

علی شاہِ مرداں و مرحب فگن　　علی شیرِ یزداں و خیبر شکن

علی ولی صاحب ذوالفقار　　علی محرمِ رازِ پروردگار

ی .... دین حق کا خطیب　　............ حبیب[1]

لی مظہرِ دین و ایمان ہے　　علی .... ہے[2]

ں ہے سپہ دارِ دینِ رسول　　برادر محمدؐ کا زوجِ بتول

۱ یہاں الفاظ کرم خوردہ ہیں۔ ۲ ایضاً

حسین و حسن کا پدر ہے علی
شہنشاہِ جن و بشر ہے علی

.... کی عجائب و غرائب تمام
نہ جانے کوئی غیرِ خیر الانام

علی کا عدو مصطفےٰ کا عدو
نبی کا عدو ہے خدا کا عدو

خدا کا عدو ہے سزاوارِ نار
اگرچہ مسلماں ہے وہ نابکار

علی کی محبت ہو جس کو نصیب
محمدؐ کا پیارا ہو حق کا حبیب ☆

کہو ساقیِ ماہِ رخسار سے
نمایاں ہوا ابر کہسار سے

گھٹا گھر کے آئی پڑے ہے پھوہار
چمکتی ہے بجلی بشانِ شرار

گرجتا ہے بادل عجب شور سے
برستا ہے ابر سیہ زور سے

عجب دھوم سے قطرہ زن ہے سحاب
رہا ابر تاریک میں آفتاب

درختان ....
سیہ مست سوسن ہوئی ....

شگوفے ....
............طرف لالہ اب داغ میں

اُگا خاکِ گلشن سے سبزہ نیا
طرب خیز ہے آج آب و ہوا

قرابے کا منہ کھول ساقی شتاب
پیالے میں بھر پرتگالی شراب

ے ارغوانی سے پُر جام کر
ادب سے مرے سامنے لا کے دھر

کہ کہتا ہوں میں اب کہانی نئی
دکھاتا ہوں غم کی نشانی نئی

عجب عشق انگیز ہے داستاں
محبت سے لبریز ہے داستاں

کہ تھا کشورِ مصر کا بادشاہ
کواکب سپاہ و فلک بارگاہ

سلیماں شکوہ و جم اقتدار
خدائے جہاں خسروئے تاج دار

کرم پیشہ و صاحب عدل و داد
تجمل میں تھا ہمسر کیقباد

قمر منزلت شاہ گردوں خیم
کیومرث شوکت فریدوں - حشم

جم اقبال و شاہ سکندر خصال
بزرگی میں عظمت میں دارا مثال

سخاوت میں حاتم سے بہتر تھا وہ
شجاعت میں رستم سے بہتر تھا وہ

جہاں پہلوان اور صاحب قرآن
سزاوار اورنگ و تاج کیان

☆ یہاں سے چند صفحات غائب ہیں

بہارِ گلستانِ دانش تھا وہ — گلِ گلشنِ عقل و بینش تھا وہ

.... مومن تھا دین دار تھا — .... تھا

کیا فتح اس شاہ .... — .... فیروز نام

خدا نے کیا اس کو عالم پناہ — کہ سلطان تھا ہفت کشور کا شاہ

ملازم تھے اس شاہ کے لک سوار — اور اس کے تھے خیل و حشم بے شمار

.... زر و سیم سے بھرے — متاع ہر اقلیم سے تھے بھرے

.... سی صد گنج معمور تھے — بھرے لعل و گوہر سے گنجور تھے

دیا حق نے صد گنج قاروں اُسے — تونگر کیا رب نے بے چوں اُسے

غرض مال و دولت سے تھا بے نیاز — کیا تھا خدا نے اسے سرفراز

اولوالعزم شاہِ زمانہ تھا وہ — شبیہ بے نظیر و یگانہ تھا وہ

کوئی آرزو اس کے دل میں نہ تھی — کدورت ذرا آب و گل میں نہ تھی

سب اسباب شاہی کا موجود تھا — پری پیکروں سے وہ خوشنود تھا

میسّر اسے عیشِ جمشید تھا — شب اس کی شبِ قدر و دن عید تھا

حریم اس کے تھے نازنینوں سے پُر — گھر اس شاہ کا مہ جبینوں سے پُر

شب و روز عشرت سے تھا اس کو کام — بے خرمّی سے تھا لبریز جام

قمر طلعتوں سے ہم آغوش تھا — صراحی عشرت سے مے نوش تھا

ہم آغوش .... — شب و روز ان سے .... کام

ولیکن .... نہ تھا — .... کا تازہ و تر نہ تھا

نہ تھا اس کی منزل میں روشن چراغ — اسی غم سے رکھتا تھا جوں لالہ داغ

ہمیشہ تمنّا تھی فرزند کی — ہوس اس کے دل میں تھی دل بند کی

یہی تھی تمنّا شہنشاہ کو — یہی تھی ہوش شاہ جم جاہ کو

ولیکن یہ غم دل میں مستور تھا — جو داغ اس کے سینے میں ناسور تھا

کسی سے وہ سلطان عرش آشیاں — نہ کرتا تھا ظاہر یہ رازِ نہاں

دل اس کا اسی غم سے پُر جوش تھا — ولے مثل غنچے کے خاموش تھا

دل اس کا تھا سرگرم سوز و گداز ‌ ‌ گرفتارِ غم تھا زمانہ دراز
غرض ایک دن شاہ بانوں شاہ ‌ ‌ کہ تھی شکل میں غیرت مہر و ماہ
کہ دختر وہ سلطان دیلم کی تھی ‌ ‌ پیاری وہ سلطانِ عالم کی تھی
اجازت سے شوہر کے وقت سحر ‌ ‌ گئی گلستاں میں وہ رشکِ قمر
پرستار و خدام ہمراہ تھے ‌ ‌ کہ اس سرو کے سب ہواخواہ تھے
میسّر ہوئی اس کو گلشن کی سیر ‌ ‌ گل و غنچہ و سرو و سوسن کی سیر
دل اس کا ہوا شاد گلگشت سے ‌ ‌ ہوئی غم سے آزاد گلگشت سے
کبھی جا کے بیٹھی وہ گل کے قریب ‌ ‌ سنا اس نے واں نالۂ عندلیب
گئی سرو کے پاس گہہ وہ پری ‌ ‌ سنی اس نے قمری کی نوحہ گری
کبھی موجزن دیکھا انہار کو ‌ ‌ کبھی گل کو دیکھا کبھی خار کو
شگوفے سے جا کے وہ بولی کبھی ‌ ‌ گرہ زلفِ سنبل کے کھولی کبھی
.... تب نرگس کو دیکھا وہاں ‌ ‌ پیالی میں اس کی مئے ارغواں
ہوا ناگہاں اس سمن کا گزر ‌ ‌ چمن کی طرف اس کو آیا نظر
کھڑا ہے[1] سرو ایک درویش پیر ‌ ‌ بزرگی و اعزاز میں بے نظیر
کہوں اس کے مکھڑے کی کیوں کر صفا ‌ ‌ عیاں اس کے چہرے سے نامِ خدا
فرشتے کے مانند روشن جمال ‌ ‌ خدا کا مجسم ہوا تھا جلال
ڈری اس کی ہیبت سے وہ نازنیں ‌ ‌ گئی پاس اس کے وہ زہرہ جبیں
کیا جا کے اس کو ادب سے سلام ‌ ‌ ہوا مہرباں پیرِ عالی مقام
نظر بھر کے اس شاہ بیگم کو دیکھ ‌ ‌ توجہ سے اس رشک مریم کو دیکھ
ہوا حال سے اس کے آگاہ پیر ‌ ‌ کہ وہ پیر عالم تھا روشن ضمیر
دیا اک پھل اس نے اس ماہ کو ‌ ‌ کہا لطف سے بانوے شاہ کو
یہاں سے تو جا جلد گھر کی طرف ‌ ‌ منوّر کر اے ماہ بیت الشرف
تناول کر اس پھل کو جا کر وہاں ‌ ‌ شتابی بلا اپنا شوہر وہاں

[1] یہاں حرف 'ن' زائدہ رقم ہوگیا ہے۔

بہم عیش و عشرت کرو دل کو کھول کہ حاصل ہو تم کو جواہر انمول ☆
ترا نخل مقصد کا ہو بارور بروں آئے تیری صدف سے گہر
خدا لطف سے تجھ کو فرزند دے سعادت سے اس مہ کو پیوند دے
عنایت کرے ایزدِ ذوالجلال تجھے اک فرزند دے یوسف جمال
وہ صورت میں ہو رشک بدرِ منیر خصائل شمائل میں ہو بے نظیر[1]
ہوئی ڈومنی گرمِ ناز و ادا شہانے میں گایا بدھاوا نیا
ادا گنگری کی نئی آن سے لیا دل کہ جان کو نئی تان سے
دکھائی دوپٹے کی اپنی بھڑک قیامت تھی نتھنوں کے اس کی بھڑک
دکھائی نگہ کی لگاوٹ نئی لبوں پر مسی کی جماوٹ نئی
ادا کی زچہ خانے کی جت کری ہوئی شاد گانے سے اس کے پری
کیا کنچنی نے اُڑانا ادا کیا تال و سر سے ترانہ ادا
ترانے بھی گائے سدا رنگ کے بدھاوے سنائے سدا رنگ کے
کیا رقص آغاز رقاص نے سراہا اسے عام نے خاص نے
اُٹھی اس کے گھنگرو کے پا کی صدا نئے طور کا شور محشر اُٹھا
دکھائی نئی برق رو کی چمک کہاں ہووے ہیرے کی ایسی دمک
نہ پائے خرام اس کا کبکِ دری خجل رقص سے اس کے ہوئے پری
اُٹھا ہاتھ سے جب بتائے دو بھاؤ نظر آئیں دلہن کے سب راؤ چاؤ
نگہ کی وہ گردش دکھائے اگر جگر میں ہو زخم سناں کارگر
دکھائے اگر جنبش دست کو خبر تا قیامت نہ ہو مست کو
شب آخر ہوئی راگ میں رنگ میں فسردہ ہوئی آگ ہر سنگ میں
دنانیر و زر سے کئی خوان بھر دیا شاہ نے ان کو وقت سحر
زچہ نے حریرہ[2] کیا نوش جاں پیا شوربا مرغ زریں کا واں

☆ یہاں سے تین اوراق اصل مسودے سے غائب ہیں۔

[1] یہاں سے کچھ اشعار غائب ہیں۔ [2] حریرہ =

زچہ نے طلاتاب پانی پیا ہوئی سیر آرام اس نے کیا
پلا شیر دایہ نے مولود کو سلایا وہاں طفل مسعود کو
نگہباں ہوئے اس کے خدمت گذار فراغت سے سوئے صغار و کبار
گیا واں سے دیوان خانے میں شاہ ہوئے حاضر اس وقت سب خیرخواہ
ہوا فارغ البال ہر کام سے غذا کھا کے سویا وہ آرام سے
ہوا پانچ دن خرمی سے تمام رہا شادمانی کا گردش میں جام
شب و روز گھر میں تھا رقص و سرود نہ تھی غیر عشرت کے گفت و شنود
طرب تھی خوشی کی نئی شب و روز زچہ کے بچے کے ....[1]
چھٹے دن چھٹی کی ہوئی دھوم دھام اکٹھے ہوئے گھر میں سب خاص و عام
کیا غسل بچے نے ، اس ماہ نے کیا گھر کو آراستہ شاہ نے
زچہ خانہ دھو کر مصفا کیا سرِ نو سے اس گھر کو رونق دیا
نئے پردے باندھے نئے سایبان مزین ہوا فرش نو سے مکان
ہوئی وہ پری چہرہ آراستہ لباس و جواہر سے پیراستہ
وو فرزند دل بند اس شاہ کا ملبّس لباس زدی سے ہوا
جواہر پہنایا اسے شاہ نے لی اس کی بلا مہر نے ، ماہ نے
طرب سے خوشی سے مچی گھر میں دھوم ادا تب ہوئے سب چھٹی کے رسوم
طوائف اکٹھی ہوئیں آ وہاں ہوئے شادمانی سے سب نغمہ خواں
کیا ساز عشرت سے ہر ساز کو دیا رنگ نو صوت و آواز کو
پکھاوج بجی ، دائرہ بھی بجا اُٹھی بین و قانون سے بھی صدا
ربانی نے اس دم بجایا رباب ہوا شور سے اس کے ہر دل کباب
کلاونت بجی ، کنچنی ، ڈومنی نزاکت سے ہر ایک بنی کامنی
زچہ خانے کے گیت گائے نئے بدھاوے خوشی کے سنائے نئے
غرض ہر پری نغمہ پرواز تھی مبارک مبارک کی آواز تھی

[1] کاغذ کرم خوردہ تھا۔

ہوئی اس گھڑی ایک رشک پری — کھڑی ناز سے گرم رامش گری
کیا رقص آغاز اس ماہ نے — کیا غمزہ و ناز اس ماہ نے
تھرکتا وہ رقاص ترچھا چلا — کیا دل کو پامال ٹھوکر لگا
تھرکتا کبھی اور مٹکتا کبھی — بتا بھاؤ دامن جھٹکتا کبھی
نئے ناز و غمزے دکھاتا کبھی — نئی چھپ[1] دکھا دل لبھاتا کبھی
دوپٹے میں انگیا چھپاتی کبھی — کنارہ بنت کا دکھاتی کبھی
غرض ناچنے کا سماں زور تھا — ترانوں خیالوں کا واں شور تھا
کرم شاہ نے ان سبھوں پر کیا — دیا نیر زر اور جواہر دیا
اسی طور کی عیش و عشرت رہی — دلوں میں خوشی اور مسرت رہی
رہا گھر میں چالیس دن راگ و رنگ — مسرت کی ہر دم نئی تھی ترنگ
محل میں تھی گانے بجانے کی دھوم — ادا گھر میں کرتے تھے تا زر رسوم
کروں کیا بیاں شادمانی کا میں — لکھوں کیا سخن نغمہ خوانی کا میں
مچی دھوم نقارخانے میں زور — نفیری کا غل تھا، ٹکوروں کا شور
سہانی بجی تھی وہ شہنائیاں — کہ تانیں نئی ان کی من بھائیاں[2]
قیامت صدا کرنا کی تھی واں — زمیں سے وہ پہنچی تھی تا آسماں
صدا کوس شادی کے واں تھے بلند — نوا نے سے اُٹھتی تھی ہر بند بند
دیا شہ نے۔ نوبت نوازوں کو زر — زر و سیم سے بھر گیا ان کا گھر
عنایت کر اے ساقی اب ہم کو جام — ہوا شاہ بیگم کا چلّہ تمام
کٹے عیش و عشرت سے چالیس دن — خوشی سے مسرت سے چالیس دن
پلا دے ہمیں جلد جام شراب — کہ چلّے سے نکلی ہے وہ ماہتاب
سحرگاہ بیگم اُٹھی خواب سے — کیا غسل تب گرم و سرد آب سے
مزین کیا تن میں گلگوں لباس — کہ ہر پھول کی اس سے آتی تھی باس

---

[1] چھپ = معشوقانہ انداز

[2] من بھائیں، من پسند

بدن میں ملا اپنے عطر گلاب — ہوئی غرق زیور میں وہ ماہتاب
کرن پھول ہیرے کے اک آن میں — کیے اس نے آراستہ کان میں
اور الماس کے بالے کانوں میں ڈال — ہوئی نور افشاں وہ روشن جمال
اور الماس کی پہن چمپا کلی — کہ دیکھ اس کو مہ کو ہوئی بے کلی
گلو میں تھا اس کے عجب خوش نما — گلو بند الماس و یاقوت کا
اور اس کے گلے میں وہ موتی کا ہار — دکھاتا ہے شبنم کو گل کی بہار
خوش اسلوب موتی کا دلڑا نیا — کہ ہوتا تھا قربان اس پر بنا
وہ موتی کی مالا خوش اسلوب تھی — اور الماس کی دھک دھکی خوب تھی
بھجوں پر تھے بھج الماس کے — لگے بھج سے پیوند الماس کے
کھنچی ڈنڈ پر ماہ کے نورتن — کہ تھا ہر رتن اس کا جزوِ بدن
زمرد کی پہونچی تھی اور دست بند — کہ قیمت میں ہر اک تھا پست و بلند
جہانگیریاں اس کی کیا خوب تھیں — جواہر کی آنکھوں کو مرغوب تھیں
رتن چوک الماس کا خوش نما — مہر انگشت میں چھلاّ الماس کا
سردست موتی کی سمرن کسی — انگھوٹے میں الماس کی آرسی
اور الماس کی پاؤں میں پائے زیب — کہ جاتا تھا دیکھ اس کو دل سے شکیب
تھے نگ اس میں الماس کے جگمگے — زمرد کے آویزے اس میں لگے
اور انگلی کا چھلاّ جواہر نگار — زمرّد کی انوٹ دکھاتی بہار
کیا تن کو زیور سے پیراستہ — سراپا کیا اپنا آراستہ
وہاں آئی سر گوندھنے رائے بیل — ملا اس کے سر میں چنبیلی کا تیل
کیے صاف کنگھی سے بیگم کے بال — عیاں کی وہاں مانگ مثل ہلال
بھری مانگ موتی سے اس ماہ کی — ہوئی شاد خاطر ہواخواہ کی
دو جسدِ مسلسل نپٹ صاف کی — دو چوٹی گندھی بوریا باف کی
لگا اس میں موباف مقیش کا — نمایاں ہوا سلسلہ عیش کا
کیا اس کے ماتھے کو تب زرفشاں — ہوا غازہ اس گل کے رخ سے عیاں

لگی اس کی یاقوت لب پر مِسّی — زچہ خانے سے نکلی وہ مسمّی[1]

ہوئی مسند آراء وہ دیوان میں — ہوا غنچہ خنداں گلستان میں (ورق:۱۴۰)

دیا غسل دایہ نے مولود کو — کیا پاک مولود و مسعود کو

پہنایا اُسے کرتا زرباف کا — نیا تھا سماں اس کی سنجاف کا

کلاہ زری اس کے سر پر دھری — زمرد کی اس میں نبت تھی ہری

ازار اس کو پہنائی کمخواب کی — صفائی گئی جس سے مہتاب کی

سراپا کیا اس کو زیور میں غرق — ہوا طفل بحر جواہر میں غرق

گئی لے کے گودی میں اس کو شتاب — جہاں مسند آراء کی وہ ماہتاب

بٹھایا اُسے شاہ بیگم نے پاس — ہوا دیکھ کر اس کے جی کو ہولاس[2]

کیا غسل سب اس کے خدام نے — زنانِ محل خاص نے عام نے

کیا غسل پھر ہر پرستار نے — قمر چہرہ و ماہ رخسار نے

تن اپنے کیے سب نے آراستہ — لباس و جواہر سے پیراستہ

کہ رخت زری ان کو شہ نے دیا — جواہر کا زیور عنایت کیا

ہوئی گھر میں آرائشیں سب نئی — نظر آئیں پیرائشیں سب نئی

در و بام سے گھر کے برسے تھا نور — ہوا روشنی سے وہ گھر رشک طور

بڑے پرتوے شمع کافور کے — چراغوں سے بکے اُٹھے نور کے

ہوئی محفل افروز رشک ماہ — ہوا جلوہ گر اس کی مسند پر شاہ

بہم بیٹھے اس جا وہ شمس و قمر — سہانے لگے گھر کے سب بام و در

ہوئے حاضر اس وقت ماہ پارگاں — کہ تھے منفعل جن سے سیارگاں

ستاروں سے جھمکے وے سب گرد ماہ — ہوئی روشن اس وقت وہ بزمِ شاہ

منجم برہمن نے ساعت بچار — بد و نیک کوکب کا کر کے شمار

نظر کر کواکب کی گردش تمام — رکھا اس کا تب 'سروآزاد' نام

---

۱ مسمّی = دیکھنے میں غریب

۲ ہولاس = اطمینان

منجم پہ شہ نے تفضّل کیا
دیا نیر ، زر اسپ و خلعت دیا
کئی خوان بھر کے جواہر سے واں
تصدق کیے طفل کے سر سے واں
منجم دعا کر کے گھر کو گیا
ہوا راگ کا بزم میں پھر سما
ہوا نغمہ خوانی کا پھر اژدہام
مچی راگ سے رنگ سے دھوم دھام
پکھاوج نئی اور بین و رباب
ستار و طنبورے بجے بے حساب
بجے باجے اک سُر سے اور تال سے
لگا دھیان دھرپت سے اور خیال سے
ہوئی ہر پری سامنے آ کھڑی
دکھایا سماں جشن کا اس گھڑی
نئی بزم میں جم کر شادی رچی
الاپی وہاں ہر کلاونت بچی
بدھاوے سنائے سدا رنگ کے
ترانے بھی گائے سدا رنگ کے
ہر اک ڈومنی نغمہ پرواز تھی
مبارک، سلامت کی آواز تھی (ورق ۱۴)
تھرکنے لگی کنچنی آن کر
لگی بھاؤ بتلانے پھر مان کر
بندھا ناچ کا بھی وہاں اک سما
نئی تان تھی اور نئی تھی ادا
شب آخر ہوئی راگ میں رنگ میں
اثر راگنی نے کیا سنگ میں
اُٹھی صبح دم سے بھیرو کی تان
ہوئی مست ہر اک کے قالب میں جان
سما بھیروی نے مچایا نیا
اثر پھر للت نے دکھایا نیا
عجب طور پرکھٹ کی تاثیر تھی
طرب بخش جاں کر نٹ تاثیر تھی
پیالے کو بھر لائے پٹ منجری
سیہ مست شیشے سے نکلی پری
غرض راگ کا راگنی کا سما
عجب طور سے آنکھوں میں چھا گیا
ہوا شاہ خوش شاد بیگم ہوئی
ہر اک شخص کی جان خرم ہوئی
عنایت کیے کسبیوں کو سحر
دنانیر زر سے کئی خوان بھر
دیے جوڑے اس غیرت ماہ نے
مرخص کیا سب کو اس شاہ نے
کیے سب دعاگو ، دعاگوئے شاہ
ہوئی پُر فقیروں سے تب کوئے شاہ
زر و لعل و گوہر گدا کو دیا
فقیروں کو شہ نے تونگر کیا
پڑا اس کی بخشش کا عالم میں شور
برآئی تمنا فقیروں کی زور

زر و مال دے کر ہوا گرم خواب ۔۔۔ لگائی گلے اپنے وہ ماہتاب
لیے بوسے اس گل کے رخسار کے ۔۔۔ شگفتہ ہوئے غنچے گلزار کے
ازار اس کی جو کھولی اس شاہ نے ۔۔۔ کیے ناز آغاز اس ماہ نے
کیا صاحب خانہ خالی میں شاد ۔۔۔ دی اس نے کرم کرکے عشرت کی داد
غرض کامِ دل شہ نے حاصل کیا ۔۔۔ ہوا آپ خوش اس کو خوش دل کیا
ہوئی عیش و عشرت سے خوش حال وہ ۔۔۔ رہی رنج سے فارغ البال وہ
لگی پرورش کرنے مولود کو ۔۔۔ لگی پالنے طفل مسعود کو
محافظ ہوئی دایۂ مہرباں ۔۔۔ نگہباں ہوئے اس کے سب خادماں
قمر طلعتاں مہد جنباں ہوئے ۔۔۔ دل و جاں سے اس کے نگہباں ہوئے
کیا پرورش اس کو سو ناز سے ۔۔۔ پلایا اسے شیر انداز سے
پہنایا نیا تن میں جوڑا اُسے ۔۔۔ اکیلا وکیلا نہ چھوڑا اسے
کٹا خیر سے سال بہجت اثر ۔۔۔ ہوئے سعد ایام جلدی بسر
دکھا ساقی اب گردشیں جام کی ۔۔۔ کہ ہے برس گانٹھ اس گل اندام کی
پلا ہم کو جلدی شراب طہور ۔۔۔ ہوئی خانۂ شاہ بیت السرور (ورق)
گزر گل کا شاید چمن میں ہوا ۔۔۔ گرہ غنچے کی کھولتی ہے صبا
شگوفے کھلے ہیں چمن زار میں ۔۔۔ شگفتہ ہوئے لالے کہسار میں
اُٹھے گل کے گلزار میں قہقہے ۔۔۔ کریں ہیں نپٹ بلبلیں چہچہے
عنایت مجھے تو کر رطلِ گراں ۔۔۔ کہ شادی برس گانٹھ کی ہے یہاں
کیا ایک شاہ زادے کو آراستہ ۔۔۔ لباس و جواہر سے پیراستہ
پہنایا پسر نُو لباس زری ۔۔۔ کہ دیکھ اس کو بے خود ہوئی مشتری
بنت اس کے کرتے کی کیا خوب تھی ۔۔۔ وہ ٹوپی زری کی بھی محبوب تھی
بدن میں وہ کمخواب زر کی ازار ۔۔۔ گلِ اشرفی کو دکھاتی بہار
خوب اسلوب تھے ہاتھ میں پوت کے ۔۔۔ کڑے زر کے ہیرے کے یاقوت کے
گلے کی وہ ہنسلی جواہر نگار ۔۔۔ دکھاتی تھی لالے کے گل کی بہار

مرصع وہ ہیکل جواہر کی تھی　　عجب خوش نما اس سمن بر کی تھی
وہ موتی کا دلڑا خوش اسلوب تھا　　نظر میں سماں اس کا کیا خوب تھا
وہ بدھی تھی یا قوت کی خوش نما　　شفق ماہ کے گرد پھیلا تھا آ
مرصع کڑے دونوں الماس کے　　پڑے پا میں اس اشراف الناس کے
عجب طور سے وہ بنا تھا بنا　　لباس اور زیور تھا اس کا نیا
کر اِستادہ نم گیرۂ زر نگار　　کیا صحن خانہ کو باغ و بہار
ستارے لگے اس میں کیا جگمگے　　زمرّد کے استادے اس میں لگے
پھبن اس کی جھالر کی کیا خوب تھی　　کھپت باؤلے کی خوش اسلوب تھی
لڑی موتیوں کی نمودار تھی　　جڑت اس میں زر کی گراں بار تھی
بچھایا وہاں فرش کمخواب کا　　رکھا تخت اس رشک مہتاب کا
بٹھایا وہاں اس جواں بخت کو　　ہوئی زیب و زینت نئی تخت کو
شہنشاہ بھی مسند آرا ہوا　　سب اسباب عشرت مہیا ہوا
وہاں آکے بیگم بھی بیٹھی شتاب　　ہوئی مشتری ہمدمِ آفتاب
پری پیکروں کے پرے کے پرے　　ہوئے آکھڑے سب ہرے اور بھرے
خوشی ہر طرف مچ گئی دھوم دھام　　ہوئے حاضر اس وقت ہر خاص و عام
نئے طور کی گھر میں شادی مچی　　سہانا ہوا وقت نوبت بجی
مہورت ہوئی نیک اور شبھ گھڑی　　گرہ سال اوّل کی اس کے پڑی
جواہر سے پھر خوان زر ایک بار　　کیا شاہ زادے کے سر پر نثار
نظر آئی ....[1] وہاں کھڑی　　سماں راگ کا بندھ گیا اس گھڑی
دیا ان کو انعام اس ماہ نے　　تفضّل کیا ان پہ اس شاہ نے
اشرفی کے توڑے عنایت کیے　　جھلاجھل کے جوڑے عنایت کیے
کیا رخصت ان کو دو گھر کو چلے　　خوشی سے گئے گھر میں سب سے ملے
کرم سے محل میں جہاں دار نے　　اور اس کی بیگم ماہ رخسار نے

[1] کاغذ کرم خوردہ ہے۔

خواتین و اہل حرم کو تمام — پرستار گان و خدام کو تمام
زر و سیم سے بھر کے توڑے دیے — زری تاش کے ان کو جوڑے دیئے
عنایت جواہر کا زیور کیا — فقیروں کو بھی پھر تونگر کیا
ہوئے فیضیاب اس سے سب خاص و عام — برس گانٹھ کی ہوئی شادی تمام
لگا پرورش پانے وہ نونہال — گرہ اس کو دینے لگے سال سال
ہوئے تین برس اس خوشی سے تمام — ہوئے دوستاں شاہ کے شاد کام
پلا ہم کو اے ساقیِ رشک حور — مے تاب سے بھر کے جامِ بلور
طرب خیز ہے فصل گل کی بہار — اگا سبزۂ نو لبِ جوئے بار
شگفتہ شگوفے ہوئے باغ میں — کھلے لالے ہر دشت میں راغ میں
چمن میں بنا ایک مکتب نیا — پڑھائے ہے غنچے کو بادِ صبا
گلستاں کا دیتی ہے گل کو سبق — نثار اس پہ کرتی ہے زر کے طبق
پلا دے شتابی سے مجھ کو شراب — کہ میں بھی ذرا اپنی کھولوں کتاب
کیا شاہ نے مکتب آراستہ — زر و سیم سے اس کو پیراستہ
کیا بام و در کو جواہر نگار — نئی زیب و زینت ہوئی آشکار
شجر کے بھی پردے لگائے وہاں — لگی ان میں مقیش کی رسیاں
چقیں سیم و زر کی تھیں در سے عیاں — لگایا وہاں تاش کا سائباں
لگیں جھالریں بادباں کی وہاں — ہوئیں لعل و گوہر کی لڑیاں عیاں
ہوا فرش قالیں کا ایوان میں — ہر اک حجرہ و میش و دالان میں
زری کی بچھی ایک مسند وہاں — مزّین ہوا فرش سے سائباں
سب اسباب عشرت مہیا کیا — مسرت کا ہنگامہ برپا کیا
وہ شہزادہ جب چار سالہ ہوا — لپٹ شوخ رشک غزالہ ہوا
ارادہ ہوا تب شہنشاہ کو — کرے تربیت اپنے اس ماہ کو
پڑھائے علوم اپنے فرزند کو — سکھائے ہنر اپنے دل بند کو
سب آراستہ گھر کیا شاہ نے — معلّم مقرر کیا شاہ نے

سب اسباب مکتب مہیا کیا — اتالیق بھی اس نے پیدا کیا
مبارک تھی تاریخ ساعت سعید — بھری جام میں تب شراب امید
کیا شاہ زادے کو آراستہ — جواہر سے خلعت سے پیراستہ
رکھی اس کے سر پر زری کی کلاہ — تصدق ہوئے دیکھ کر مہر و ماہ
رکھا اس کے سر پر جواہر کا تاج — کہ قیمت تھی اس کی جہاں کا خراج
سراپا ہوا وہ جواہر میں غرق — زمرّد میں یاقوت و گوہر میں غرق
بنا وہ نیا زیب و زینت سے زور — مچا شاہ کے گھر میں شادی کا شور
چلا طرف مکتب کے وہ رشکِ ماہ — تصدق ہوا اس کے ہر خیرخواہ
مبارک ہو مرگِ نو استاد کو — کہ دے گا سبق سرو آزاد کو
جو مکتب میں تشریف لایا وہ ماہ — ہوا اس پہ قربان دستور شاہ
نظر آیا دستور زادہ وہاں — خراماں ہوا مثل سرو رواں
جھکا سر کو اس سر کو تسلیم کی — بجا لایا آداب اور نذر دی
نذر لی وزیر اپنے کی شاہ نے — تفضّل کیا اس پہ اس ماہ نے
ہوا مسند آراء وہ رشک قمر — فروزاں ہوا نور سے بام و در
بٹھایا معلم کو لا کر وہاں — رکھے بہت میوے مٹھائی کے خواں
معلم نے کی پنجتن کی نیاز — رکھی آگے قرآن حق کر کے باز
پڑھایا اسے سورۃ المومنین — کہ حاصل ہو نعمائے دنیا و دین
الف بے پڑھائی پھر اس شاہ کو — دعا دی معلم نے اس ماہ کو
وزیر پدر نے کئی خوان زر — طبق بھی کیے پھر جواہر سے بھر
کیے شاہ زادے کے سر پر نثار — دیا بے نواؤں کو زر بے شمار
معلم کو بھی اسپ و خلعت دیا — اور اس کو عنایت جواہر کیا
معلم نے پایا جو اک گنج زر — ثناخواں گیا شاہ کا اپنے گھر
وہیں شادمانی کی نوبت بجی — شہنشاہ کے گھر میں شادی مچی
نکورے اُٹھے کوسِ دولت کے واں — ہویدا ہوا کرنا کا فغاں

نفیری سے شہنائی سے آئی صدا ۔ بندھا اس گھڑی خرمی کا سماں
وہ شہزادہ اپنے محل میں گیا ۔ فروزاں وہ نیر محل مین گیا
پرستارگان اور ودا دائیاں ۔ اسے دیکھ کر در پوشتاب آئیاں
ہوئیں شاد دیکھ اپنے شمشاد کو ۔ لیا گود میں سروآزاد کو
بلا ہر قدم پر لی اس شاہ کی ۔ کبھی آنکھ میں شکل اس ماہ کی
بٹھایا اسے شاہ بیگم کے پاس ۔ بجائی مادر خدا کا سپاس
تصدق کیے ماہ کے فرق پر ۔ جواہر سے زر سے کئی خوان بھر
پدر بھی آکے بیٹھا وہاں ۔ گلے سے لگایا اسے شادماں
لیا اس کو گودی میں پھر شاہ نے ۔ کیا دل فدا ہر ہواخواہ نے
بجایا وہیں ڈومنی نے بھی ڈھول ۔ نکالے مبارک سلامت کے بول
سہاگ اور گھوڑی سنائی نئی ۔ شہانے کی تانیں دکھائی نئی
بدھاوے نئے گائے انداز سے ۔ ادائیں دکھائی نئے ناز سے
کلاونت بجی اپنے سنگت کے ساتھ ۔ وہاں بیٹھی دھر کر طنبورے پہ ہاتھ
پکھاوج بجی اور قانون و چنگ ۔ بجے دائرے بین اور جل ترنگ
اُٹھا شور سا رنگیوں سے واں ۔ ہوئی ہر کلاونت بجی نغمہ خواں
بہت گائے دھرپت سدا رنگ کے ۔ سنائے ترانے ادا رنگ کے
لگی ناچنے کنچنی ناز سے ۔ اُٹھائے قدم قدر و انداز سے
سماں رقص کا بھی وہاں چھا گیا ۔ وہاں طرفہ ہنگامہ برپا ہوا
نئے ناز و غمزے تھے رقاص کے ۔ ہوئے محو دل عام کے خاص کے
شہ نامور نے دیا ان کو زر ۔ عنایت کیا ان کو لعل و گہر
ہوا پُر مئے فیض سے ان کا جام ۔ گئے اپنے گھر کی طرف شاد کام
وہ شہزادہ مکتب میں پڑھنے لگا ۔ ذکا اور ذہن اس کا بڑھنے لگا
کیا درس ابجد. کا اس نے تمام ۔ کیا نوش علم لدنی کا جام
ہوا مست صہبائے . علم . لدن ۔ ہوئی ہم دم اس کی عروس سخن

.... ایک دن میں کرلیا تمام ؎۱
ہوا مثل طوطی کے شیریں کلام

کئی دن میں اس نے لگا کر کے جان
گلستاں بھی پڑھی اس نے اور بوستاں

پڑھی اس نے سب فارسی کی کتاب
ہوا ماہر اس علم سے و شتاب

پڑھا صرف اور نحو اس شاہ نے
لیا درس حکمت کا اس ماہ نے

معانی و منطق حدیث و فقہ
رمل اور جفر ، ہیئت و ہندسہ

الٰہی ریاضی طبعی نجوم
کیے اس نے تحصیل سارے علوم

غرض دس برس میں معلم ہوا
ہنر مند وہ شاہ عالم ہوا

کہوں کس طرح اس کے فضل و کمال
کہ ہر علم میں وہ ہوا بے مثال

کیے حاصل اس نے جہاں کے فنون
کہ اس شاہ کی تھی خرد رہ نموں (ورق ۲۰)

ہوا صاحبِ علم و اہل ہنر
سخن اس کا بخشے تھا دل کو اثر

خدا نے دیا اس کو حسن اور جمال
عنایت کیا اس کو فضل و کمال

وہ تنہا فضیلت میں تھا بے نظیر
وہ صورت میں سیرت میں تھا بے نظیر

فلاطوں سے حکمت میں بہتر تھا وہ
ارسطو سے فطرت میں بہتر تھا وہ

علوم و فنون اس کو سب یاد تھے
کہ شاگرد اس کے سب استاد تھے

پلا ہم کو اے ساقیِ پرغرور
مے حسن سے بھر کے جام غرور

لکھوں حسن کے اس کی میں داستاں
سراپا کا اس کے کروں میں بیاں

خجل اس کی صورت سے تھے مہر وماہ
کہ تھا حسن کا اس کے یوسف گواہ

سر اس شاہ کا قبۂ نور تھا
عیاں اس سے ہر جلوۂ طور تھا

صفائی میں پیشانی اس شاہ کی
مجسم تجلی تھی اللہ کی

اور اس شاہ کا دیکھ ابرو ہلال
گرا شرم سے خاک پر ہو نڈھال

وہ رخسار اس شاہ غیور کے
وہ ٹکڑے تھے اللہ کے نور کے

اور اس شاہ کی زلف تھی مشک بار
شب تار تھی دیکھ اسے شرمسار

وہ زلف مسلسل گرہ گیر تھی
فرشتوں کے پاؤں کی زنجیر تھی

؎۱ کاغذ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے شعر پڑھا نہیں جاسکا۔

وہ چشم سیہ مست پیمانہ نوش — کہ اُڑتے ہیں دیکھ اس کو نرگس کے ہوش
نگاہ اس کی غارت گرِ جان ہے — وہ کافر ہے کیا اس کا ایمان ہے
وہ مژگاں ہے یا دستے ہیں تیر کے — تڑپتے ہیں دل دیکھ نخچیر کے
الف اس کی بینی کا ہے خوش نما — بنا گوش سے جسم کو ہے صفا
نئی اس کی رخسار کی ہے چمک — کہاں برق کی اس طرح ہو دمک
وہ لب اس کا یاقوت رمان ہے — خجل اس سے لعل بدخشان ہے
زباں اس کی شیریں شکرریز ہے — سخن پرور و نکتہ انگیز ہے
تبسم سے اس کے ہیں غنچے خجل — تکلم سے بلبل ہوئی منفعل
عجب اس کا چارہ زنخدان ہے — کہ قیدی وہاں ماہ کنعان ہے
مزہ سیب غبغب کا اس کے نیا — کہ بو اس کی رنجور کو دے شفا
وہ گردن صراحی ہے بلور کی — عیاں اس سے ہے دھک دھکی نور کی
وہ شانے تھے دونوں نشانِ فلک — کہ رکھتا تھا وہ پہلوانِ فلک
قوی دونوں بازو تھے اس شاہ کے — عیاں ان سے تھے پرتوِ ماہ کے
تعجب نہیں کچھ یدِ بیضا گر — پئے اس کے ہاتھوں سے خون جگر
زبردست ہر دست وہ دست تھا — کہ قوت سے اس کی فلک پست تھا
خوش اسلوب تھیں اس کی سب انگلیاں — صفائی نزاکت کی سب سے عیاں
(ورق ۱۹) وہ سینہ بھی کینے سے شفاف تھا — شکم اس کا آئینۂ صاف تھا
اور اس کی تھی وہ ناف عین الصفا — صفا دیکھ مہ اس کی حیراں ہوا
وہ دوہٹی لعل بدخشاں کی تھی — لگی بیچ میں شاخ مرجاں کی تھی
وہ دور ان ہیرے کے تھے دوستوں — مصفا تھے جوں مرأتِ آب گوں
وہ دو ساقِ سیمیں صفا بخش تھی — مہ و مہر کی وہ حنا بخش تھی
قدم بوسی اس شہ کا کرتا ہے ماہ — کف پا کو آنکھوں پر دھرتا ہے ماہ
قیامت وہ قامت ہے طوبیٰ مثال — کھبے آنکھ میں حور کی اس کی چال
تصدق پری اس کے گفتار کے — فدا سرو ہے اس کی رفتار کے

غرض سر سے پاؤں تلک خوب تھا — سب اندام اس کا خوش اسلوب تھا
پڑا شہرہ اس شاہ کے حسن کا — یکایک ہر اک شہر میں جا بہ جا
اور اس شہر میں بھی مچی کھلبلی — یکایک یہ آتش کہاں سے لگی
یہ کیا حُسن کا شعلہ جاں سوز تھا — ہر اک خانے میں آتش افروز تھا
ہوا شعلۂ حسن اخگر فشاں — دیا پھونک عشاق کا خانماں
کہو ساقئ رشکِ مہتاب سے — بجھائے مرے دل کی آگ آب سے
لگائی کس برق سے دل نے لاگ — کہ ہے مشتعل میرے سینے میں آگ
مری آتشِ دل شرر بار ہے — مجھے قطرۂ آب درکار ہے
مے ناب سے دے بجھا آگ کو — کہ اس دل جلے کو کچھ آرام ہو
کیا عشق کی آگ نے دل کباب — پلا دے مجھے ایک قطرہ شراب
کہ ہو مست مے سے کہوں داستان — کروں آتشِ حسن کا اب بیان
جو بارہ برس کا ہوا وہ قمر — دیئے پھونک آتش لگا گھر کے گھر
نکالا نیا روپ اس ماہ نے — دکھایا نیا حسن اس شاہ نے
گھمنڈ حسن کا اور جوانی کا ناز — غرورِ شہی ، کامرانی کا ناز
کیا مشتعل آتشِ حسن کو — عیاں شعلۂ سرکشی حسن کو
دی اس ماہ نے آگ اس شہر میں — کہ آیا وہ شعلہ نپٹ لہر میں
جلائے کئی خرمن اس برق نے — اُجاڑے کئی گلشن اس برق نے
وزیر اس کا ہم سن و ہم سال تھا — سدا مثل سائے کی دنبال تھا
ہوا ایک دن شاہ زادہ سوار — وزیر ہوا ہم رہِ ہوا ایک بار
وزیر اور سلطان کے تھا زیرِ راں — وہ اسپ پری زاد و نازک میاں
ہوا مرکب شاہِ عالی مقام — سمندِ سیہ زانوئے تیزگام
وہ شعلہ صفت گرم رفتار تھا — مجسم شرر برق کردار تھا
مرصع جواہر سے تھا اس کا زین — جڑے اس میں الماس کے تھے نگین
کہاں ہم عنان اس کی باد سحر — رکاب اس کے چومے تھی فتح و ظفر

نمودار تھا خانۂ زیں سے شاہ | کہ جیسے حمل سے درخشاں ہو ماہ
عیاں اس کے سر سے تھی سورج مکھی | کہ سائے میں اس کے ہو وہ گل سکھی
سواروں کے دستے تھے پیچھے رواں | پیادوں کے دستے تھے آگے دواں
اور اس کی قفا ہاتھیوں کی قطار | سب اسباب ان کا جواہر نگار
جلو میں تھے کوتل کئی بادپا | ہر اک بادپا کا تھا ساز طلا
وہ ماہی مراتب وہ طوعِ علم | وہ دھونسے کہ رکھتے تھے محشر کا دم
کئی ہاتھیوں پر نمودار تھے | رواں پیش و پس نیزہ بردار تھے
نقیبوں کے ہاتھوں میں زر کے عصا | خوش اسلوب لگتے تھے اور خوش نما
جلو میں تھا اور چوب داروں کا شور | جلوس سواری تھا اس شہ کا زور
سواری کا اس کی تجمل نیا | کہ ہو آمد گل کا جیسے سما
چلا گھر سے جب شاہ عالی مقام | مچی شہر میں اس گھڑی دھوم دھام
کئی نازنینا چڑھیں بام پر | کئی بیٹھیں غرفے[1] کا در کھول کر
ہوا مجمعِ عام بازار میں | مچا شور ہر بیت و ہر دار میں
پرے کے پرے مہ رخوں کے وہاں | ہوئے بام و غرفے کے سب در عیاں
سوئے شاہ گرمِ تماشا ہوئے | نظر بھر اسے دیکھ شیدا ہوئے
بلا اس کی ہر اک نے لی دور سے | نظر اپنی کی روشن اس نور سے
وے سب منتظر اس کے قرباں ہوئے | اسے دیکھ کر سخت حیراں ہوئے
یہ کیا حسن ہے کیا صفائی ہے یہ | درخشندہ نور خدائی ہے یہ
فرشتہ ہے یہ یا پری زاد ہے | کہ اس کا یہ حسن خداداد ہے
اسی طور کی گفتگو تھی وہاں | کہ واں سے ہوئی وہ سواری رواں
قریب ایک قصر جواہر نگار | سواری گئی شاہ کی ایک بار
درِ غرفہ وا کر کے ایک نازنین | کہ تھی شکل و صورت میں حورا جبین
شمائل خصائل میں تھی بے نظیر | کہ نام اس پری کا تھا بدرِ منیر

۱ غرفہ = دریچہ

پدر اس کا سردار نجار تھا — غنی تھا تونگر تھا زردار تھا
وہی ماہ تھا اس کے گھر کا چراغ — پری پیکروں میں تھی عالی دماغ
درِ غرفہ سے جھانکتی تھی کھڑی — نظر جا سواری پہ شہ کی پڑی
نظر آیا اس کو تجمل نیا — کبھی اس طرح کا نہ دیکھا سما
لگی دیکھنے غور سے وہ پری — نظر آئے اس کو بھی شانِ زری
جلوسِ سواری نئے دیکھ کر — ہوئی سخت حیراں وہ رشکِ قمر
کہ ناگہہ ہوئیں وہ نگاہیں دوچار — ہوئے تیر مژگاں کے سینے سے پار
نظر بھر کے دیکھا جو اس شاہ کو — تماشہ کیا نور اللہ کو
گری ایک جلوے سے وہ خاک پر — ہوئی اک تجلی سے وہ بے خبر
ہوئی بے خودی عائد اس ماہ کو — نہ تھا اس سے کچھ کام اس شاہ کو
لگا آگ اس گھر میں دل کو جلا — سواری کو موڑ اپنی گھر کو چلا
وہاں مشتعل آگ دونی ہوئی — گلی اس پری رو کی سونی ہوئی
کیا گرمیِ عشق نے جب اثر — اُٹھی مضطرب حال وہ بے خبر
نہ دیکھی سواری وہ محبوب کی — نہ آئی نظر شکل مطلوب کی
نظر آئی گھر میں وہ آتش لگی — جگر سوختہ کو ہوئی بے کلی
وہیں آنکھ سے اس نے آنسو بہا — وہ آتش جو تھی مشتعل دی بجھا
وہاں سے سواری گئی پیش تر — جلاتی ہوئی آگ سے گھر کے گھر
وہ پہنچی سواری درِ شاہ پر — ہوا لشکر استادہ صف باندھ کر
جھکا سر کو مجرا کیا شاہ کو — مرخص کیا ہر ہواخواہ کو
اُتر اسپ سے وہ شہ بے نظیر — لیا اپنے ہم راہ اپنا وزیر
طرب ناک ایوان خانے میں جا — وہ ثانیِ جم مسند آرا ہوا
وہاں بیٹھا جا دست بستہ وزیر — مرخص ہوا شہ سے ہر اک امیر
سواری کی پوشاک تبدیل کر — بدن پاک کر کے وہ رشکِ قمر
کیا تن پہ آراستہ پیرہن — ہوا فارغ البال وہ گلبدن

رکھی اپنے سر پر زری کی کلاہ   تصدق ہوا اُس کے مکھڑے پہ ماہ
پھر اس شہ نے کھانا کیا نوش جاں   پیا پانی اور دھویا دست و دہاں
پلنگ پر ہوا مائل خواب ناز   کیا خوابِ راحت میں وہ سرفراز
الش[1] شاہ کا نوشِ جاں کر وزیر   رخ و دست دھو آب سے ہو کے سیر
اُٹھا تکیہ مسند کا دھر زیرِ سر   ہوا مائلِ خواب اس فرش پر
سرِ شام بیدار دونوں ہوئے   خبردار و ہشیار دونوں ہوئے
وہیں آب سے اپنے مکھڑے کو دھو   محل میں گئے دونوں دل شاد ہو
وہیں شاہ بیگم کو مجرا کیا   بٹھایا پسر کو گلے سے لگا
تصدق ہوئی اپنے فرزند پر   کیا جی فدا اپنے دل بند پر
بٹھایا وزیر اپنے فرزند کا   قریب اپنے مسند کے دی اس کو جا
وہ مخدومۂ زمرۂ مومنات   لگی پوچھنے تب سواری کی بات
وزیر خردمند نے سر کو جھکا   تجمل سواری کا ظاہر کیا
مچی جس طرح شہر میں دھوم دھام   ہوا جس طرح خلق میں ازدحام
گذارش کیا اس نے سب سر بہ سر   ہوئی شاد سن کر خوشی کی خبر
کئی خوان زر کے تصدّق کیے   فقیروں کو اور بے کسوں کو دیے
عنایت کر اے ساقیِ ماہ رو   مے ارغوانی مے بھر کر کرو
بجھا آگ میری مئے ناب سے   کہ بجھتی نہیں نارِ عشق آب سے
سواری کا جب شاہ کی سن کے شور   گئی جانب غرفہ وہ رشکِ حور
نظر آیا اس کو جو رخسار شاہ   ہوئی عاشق شاہ وہ رشکِ ماہ
گری اس کے جلوے سے وہ خاک پر   نہ اس کو رہی تن بدن کی خبر
غشِ عائدِ حال اس کے ہوئی   اجل آ کے دنبال اس کے ہوئی
ہوا ہر طرف جب سواری کا غُل   اُٹھی مضطرب حال وہ رشک گُل
جھروکے سے جھانکی وہ رشک قمر   وہاں شاہزادہ نہ آیا نظر

---

[1] الش = کسی امیر یا بزرگ کا جھوٹا کھانا، پسِ خوردہ

بہا اُشک آنکھوں سے اور کھینچ آہ — گئی جانب قصر وہ رشک ماہ
پلنگ پر گئی لیٹ بے تاب ہو — تڑپنے لگی بے خور و خواب ہو
سلگنے لگی غم سے وہ دل جلی — ہوئی اس کے دل کو عجب بے کلی
جگر میں عجب زخم کاری ہوا — مژدۂ تر سے خوناب جاری ہوا
کٹا دن عجب تلملی سے اسے — کٹی رات بھی بے کلی سے اسے
گیا دل سے آرام اور جی سے چین — ہوئے مثل ابر اشک ریز اس کے نین
اُٹھے نالے سینے سے اور دل سے آہ — ہوئی اس پری رو کی حالت تباہ
عجب گھر میں اس کے مچی کھلبلی — کہا دایہ نے ماں سے بچی چلی
خبر لے کے وہ سخت بیمار ہے — جگر ریش ہے اور دل افگار ہے
یہ سن کے ہوئی اس کی ماں بے حواس — گئی مضطرب حال بیٹی کے پاس
ترے واری اماں یہ کیا حال ہے — مری بیٹی کس غم سے پامال ہے
بتا مجھ کو جلدی یہ کیا درد ہے — کہ رخسار گلگوں ترا زرد ہے
بتا جلد دل کو ترے کیا ہوا — کہ کھلتے ہی غنچہ یہ مرجھا گیا
نہ بولی وہ ماں سے رہی وہ خموش — پلنگ پر گری گم ہوا اس کا ہوش
یہ سن کر خبر اس کا آیا پدر — نظر آیا روتا ہوا گھر کا گھر
جو بیٹی کو دیکھا تو بے ہوش تھی — تکلم نہ کرتی تھی خاموش تھی
پلنگ سے پدر نے اُٹھایا اُسے — گرم کر کے چھاتی لگایا اسے
پدر نے کہا کیوں مکدر ہے تو — بتا کس لیے زار و مضطر ہے تو
لیکن نہ بولی وہ رشک پری — جھکا سر کو لیتی وہ کبک دری
ہوا اس کے غم سے دل اس کا دونیم — پدر نے بلائے طبیب اور حکیم
بلائے شتابی سے افسوں گراں — نجومی و رمال اور ساحراں
نہ اس کو ہوا کچھ دوا کا اثر — نہ سحر و فسوں نہ دعا کا اثر
ہوئے سختِ دل ریش، مادر پدر — سراسیمہ حیراں ہوا سارا گھر
رہی چپ وہ دختر کئی روز و شب — ہوئی کم نہ اس کی محبت کی تب

اکیلے میں دائی گئی اس کے پاس / گلے سے لگا کر ہوئی بدحواس
کہاں میں ہوں دائی تری میری لال / نہ کر شرم مجھ کو بتا اپنا حال
قسم تیری کر اپنے غنچے کو باز / کسی سے میں ظاہر کروں گی نہ راز
جو اس مہ نے ہمدرد پایا اسے / سب احوال اپنا سنایا اسے
تصدق ہو دائی نے اس سے کہا / کروں گی میں اب تیری حاجت روا
خوشی سے تو اُٹھ بیٹھ دل شاد ہو / غم و رنج و محنت سے آزاد ہو
کیا نوش جاں کھانا مکھڑے کو دھو / ہوئی مسند آرا طرب ناک ہو
ہوئی شادماں مادرِ مہرباں / کہ بیٹی نے کھانا کیا نوش جاں
پدر بھی ہوا شاد سن یہ خبر / ہوا شاد و آباد تاجر کا گھر
وہاں سے طربناک دائی گئی / کیے طے گلی اور کوچے کئی
محل میں گئی شاہ عالم کے وہ / گئی پاس اس شاہ بیگم کے وہ
جھکا سر کو بیگم کو مجرا کیا / نکال اپنے کیسے سے تحفہ دیا
کیا سازِ زرّیں سے آراستہ / جواہر کے زیور سے پیراستہ (ورق:۳۲)
کسا اس پہ زین جواہر نگار / لگے جس میں لعل و دُرِ شاہوار
پنھائی اسے ہیکل الماس کی / وہ سر پر زمرد کی کلغی لگی
بنے کا عجب خوب گھوڑا بنا / خوش اسلوب و محبوب گھوڑا بنا
ہوا در پہ حاضر جو وہ بادپا / وہیں اس کے سر پر بھی سہرا بندھا
محل سے برآمد ہوا وہ بنا / نظر آیا محبوب گھوڑا نیا
وہ نوشہ ہوا اس فرس پر سوار / کیے اس کے سر پر جواہر نثار
سرِ شاہ پر چتر گرداں ہوا / وزیر و امیر اس کے قرباں ہوا
ہوا بادلا پوش ہر ایک امیر / وزیر اور بخشی و ہر یک مشیر
ہوئے غرق بحر جواہر میں سب / نظر آئی وہ ایک ٹکڑی عجب
وہ سب پاپیادہ ہوئے ہم رکاب / چلے مثل ذرہ پس آفتاب
براتی ہوئے اس کے سب خاص و عام / جلو میں ہوا خلق کا ازدحام

طلا کے عصا چوب داروں کے ہاتھ ‏ نقیب ویسا دل تھے ان کے ساتھ
فرس پہ تھے نوبت نوازوں سوار ‏ جلو میں رواں تھے وہ باندھے قطار
لگی بجنے شادی کی نوبت بھی زور ‏ اُٹھا چارسو سے نکوروں کا شور
زمیں سے ہوئی آسماں پر رسا ‏ نفیری کی شہنا کی دلکش صدا
فغاں کرنا کی تھی بہجت اثر ‏ وو دیتا تھا نقارہ بھی خوش خبر
کئی طائفے کسبیوں کے وہاں ‏ تھرکتے تھے بالائے تخت رواں
ہوئے تخت آرائش اس دم شمار ‏ سواری میں داماد کے یک ہزار
بہت سے کنول تھے ہر اک تخت پر ‏ منور چراغ ان میں تھے سر بہ سر
اور اشجار زرین و سیمیں پہاڑ ‏ وہ نخل بلوریں وہ شیشے کے جھاڑ
منور ہوئے لاکھ شمع و چراغ ‏ نظر آیا پھولا وہ آتش کا باغ
ہوئی کثرت روشنی اس قدر ‏ کہ عالم ہوا نور کا جلوہ گر
ستارے ، ہوائی ، انار ‏ سواری میں اس کے چھٹے بے شمار
پدر اس کا تھا تخت زر پر سوار ‏ صحافہ تھا مادر کا گوہر نگار
سواری کے پیچھے تھے ان کی رواں ‏ عجب ان کی شوکت عجب ان کی شان
قفائے سواریٔ عالم پناہ ‏ قفائے سواریٔ بانوئے شاہ
پرے کے پرے شہ سواروں کے تھے ‏ جوانان خنجر گزاروں کے تھے
قضا فوج کی ہاتھیوں کی قطار ‏ عماری و ہودج جواہر نگار
وہ ماہی مراتب دو طوغ علم ‏ یمین و یسار اس کے خیل و حشم
غرض وہ سواری چلی شان سے ‏ نئے ناز سے اور نئی آن سے ورق۳۳
تجمل نیا اس سواری کا تھا ‏ نیا سب سماں اس سواری کا تھا
سواری غرض پہنچی دلہن کے گھر ‏ تصدق کی یہ شہ پہ لعل و گہر
ہوئی جابجا واں کھڑی سب سپاہ ‏ گیا مجلس خاص میں بادشاہ
گیا ساتھ اس کے وہ داماد بھی ‏ کہ عاشق تھی جس کی پری زاد بھی
وزیرِ پدر اور وزیرِ پسر ‏ امیرانِ عالی وقارِ پدر

اور اس شاہ کے ارکان دولت تمام
گیئے ساتھ اس ماہ کے شادکام

ہوا جلوہ گر ایک مسند پہ شاہ
دوئم مسندِ زر پہ بیٹھا وہ ماہ

وزیراں ، امیرانِ خرد و کلاں
دو جانب وہ مسند کے بیٹھے وہاں

کھڑے جابجا اہلِ خدمت ہوئے
اور استادہ ارکان دولت ہوئے

کئی طائفے کسبیوں کے وہاں
کہ شکل و شمائل میں تھے مہوشاں

خوشی سے ہوئے گرم رقص و سرود
دکھائی نئی ناچنے کی نمود

نئی ان کے نغمے کی پرواز تھی
مبارک سلامت کی آواز تھی

لگیں گانے سب ڈومنیں گھوڑیاں
سلامت الٰہی رہیں جوڑیاں

نئے طور کا واں مچا راگ و رنگ
تھرکنے لگی ہر پری شوخ و سنگ

ہر اک شخص مجلس میں خوشنود تھا
سب اسباب عشرت کا موجود تھا

نمایاں وہاں عالم نور تھا
وہ شادی کے گھر خجلت طور تھا

ہوا حاضر اس وقت قاضی وہاں
وکیل آئے دونوں کے اور شاہداں

وہیں ساتھ شہ کے وہ تھا بے نظیر
ہوا منعقد عقد بدر منیر

لکھا اس کے کابین میں ملک شام
ہوا کار خیر اس پری کا تمام

وکیلوں کو قاضی کو جوڑے دیئے
جواہر دیئے اور گھوڑے دیئے

طبق لعل و گوہر سے بھر بے شمار
کیے سر سے داماد کے تب نثار

ہوئے اس تصدق سے ہر کس نہال
ہوا قسمت ان کی وہ اسباب و مال

عجب شور و غل سے وے گانے لگیں
بدھاوے نئے وے سنانے لگیں

زنانی سواری محل میں گئی
ہر اک مشتری رو حمل میں گئی

محافے سے اُتری وہ بانوے شاہ
خجل اس کے رُخ سے ہوئے مہر و ماہ

خواتین حورا جبیں ساتھ تھیں
کنیزانِ خدمت گزین ساتھ تھیں

ہوئیں اس جگہ سمدھنیں آ دو چار
ہر اک کے گلے ڈالے پھولوں کے ہار

گئے شاد و خوش حال مجلس میں سب
نظر آئی وہ بزم عیش و طرب

مہیّا تھا اسباب عشرت وہاں
گوئیے بھی حاضر تھے شادی کناں

وہاں مسند آرا وہ بیگم ہوئی
ملی اپنی سمدھن سے خرم ہوئی

خواتیں بھی پہنے زری کے لباس
وہیں بیٹھیں اس مہ کے مسند کے پاس

اور اک طرف وہ سمدھنیں مہ لقا
وہاں بیٹھیں سرگرمِ ناز و ادا

ہوئی ہر پرستار خوش اس گھڑی
ادب سے وہاں دست بستہ کھڑی

وہ سب بیٹھیں مجلس میں ہو شادمان
ولے دیکھنے کا تھا دولہن کا دھیان

سنو مجھ سے مذکور بدر منیر
کہ تھی حسن و خوبی میں وہ بے نظیر

نہائی صفائی سے و خرد سال
گندھائی تھی چوٹی سکھا کر کے بال

لگائی وہیں دست و پا میں حنا
دکھایا حنا میں شفق کا سما

ملا عطرِ گل اپنے اندام میں
کہ لائے وہ شہ باز کو دام میں

اور مہ نے پہنا دی زری کا لباس
کہ آتی تھی جس سے عروسی کی باس

کیا اس دلہن نے نیا سب سنگھار
دکھائی نئی حسن کی سب بہار

ہوئی غرق بحر جواہر میں وہ
لگی خوب انواع زیور میں وہ

لبوں پر مسی کی جمائی دھڑی
اسے دیکھ سوسن وہیں گر پڑی

اور اس نے جبیں اپنی کی زرفشاں
ستاروں نے قرباں کیا نقد جاں

دیا کاجل اس چشم فتاں میں
چھپی جاکے نرگس گلستان میں

جواہر کا سہرا بھی سر پر بندھا
اور اس گورے مکھڑے پہ مقنع پڑا

غرض وہ بنی کامنی سی بنی
کہ تھی روپ میں اپنے وہ پدمنی

اُٹھی وہ پری ناز وانداز سے
چلی سو کرشمے سے سو ناز سے

(ورق ۲۸) خراماں ہوئی مثل کبک دری
تصدق ہوئی ہر قدم پر پری

اُٹھا شور مجلس مین آئی دلہن
کہ دولہا نے جس سے لگائی لگن

وہ آ بیٹھی مسند پہ مثلِ قمر
منوّر ہوئے گھر کے سب بام و در

گئی جلد خوش دامن اس مہ کے پاس
بجا لائی دیکھ اس کو حق کا سپاس

کیے خوان زر اس پری پر نثار
بہو کے تصدق ہوئی بار بار

خواتین بھی اس کی لے کے بلا
کیے لعل و زر اس کے سر پر فدا

بلایا وہیں گھر میں داماد کو
خبر پہنچی اس 'سروآزاد' کو

اُٹھا بزم سے وہ بنا لاڈلا
محل میں وہ دلہن کے داخل ہوا

پرے کے پرے ماہ رویوں کے واں
نظر آئے اس کو کھڑے شادماں

بلا لے بنے کے وہ قرباں ہوئے
سبھی اس کے سر پر زر افشاں ہوئے

بٹھایا اُسے لے کے دلہن کے پاس
بنے کو لگی خوب دلہن کی باس

کبھی آنکھ میں اس پری کی جھلک
سہانی لگی اس کے منہ کی دمک

بنے کو عجب خوب دولہن لگی
خوش اسلوب و محبوب دولہن لگی

ہوئی 'سروآزاد' کو گل کی چاہ
ہوا دل سے دلہن کا عاشق وہ ماہ

دکھا مصحف و آئینہ ان کے پاس
ہوئے دیکھ کر مہ رخاں بدحواس

نظر آیا آئینے میں بے مثال
بنی اور بنے کا دو حسن و جمال

ہوئے دونوں مہ عاشقِ یک دگر
ہوئے مائل .... وے شمس و قمر[1]

ادا پھر ہوئی رسمِ نو بات بھی
شگونوں میں آخر ہوئی رات بھی

کلاونت بجی ڈومنی کنچنی
کہ ہر ایک تھی روپ میں کامنی

سہاگ اور .... سنانے لگی[2]
لگی ناچنے اور گانے لگی

مچی اس گھڑی بزم میں دھوم دھام
ہوئے شاد و خرم سبھی خاص و عام

سواری زنانی لگائی وہاں
کہ لے جائے دولہن کو تاروں کی چھاں

بنے نے بنی کو اُٹھا کر شتاب
بٹھایا محافے میں جوں ماہتاب

ہوئی شاہ بیگم بھی اس دم سوار
محافے پہ جو تھا جواہر نگار

خواتین بیٹھیں محافے میں سب
وہ ساری کنیزانِ حورا نسب

اُٹھایا کہاروں نے کاندھے پہ دھر
محافوں کو جن میں تھے لعل و گہر

ہوا اپنے گھوڑے پر نوشہ سوار
ہوئے خوان زر اس کے سر پر نثار

زنانی سواری کے آگے چلا
سواری کا اس کے وہیں غل مچا

1۔ یہاں الفاظ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھے نہیں گئے۔

2۔ یہاں کاغذ پھٹ گیا تھا اس لیے لفظ پڑھنا دشوار تھا۔

اُٹھا مجلس خاص سے بادشاہ　　ہوا ساتھ اس کے ہر اک خیرخواہ
ہوا تخت پر شاہ عالم سوار　　وزیر اور امیران عالی وقار
ہوئے اپنے اپنے فرس پر سوار　　چلے اس بنے کے یمین و یسار
روانہ ہوئی شاہ کی سب سپاہ　　چلا اس تجمل سے وہ رشکِ ماہ
اُٹھا کوس دولت سے شادی کا شور　　لگیں بجنے شہنائیاں زور زور
ٹکوریں بجے شادیانے بجے　　وے نقارۂ خسروانے بجے
ہوئی راہ و بازار میں دھوم دھام　　ہوا مردم شہر کا اژدھام
کئی خوان بھر بھر کر زر کی نثار　　سر شاہ پر ہر قدم بار بار
فقیروں غریبوں نے پایا وہ زر　　تونگر ہوئے دے گدا سر بہ سر
سواری بنے اور بنی کی سحر　　تجمل سے پہنچی در شاہ پر
مرخص[1] ہوئے سب امیر اور سپاہ　　ہوا داخلِ خانہ وہ بادشاہ
محل میں گئی شاہ بیگم شتاب　　گئی ساتھ اس کے ہو اک ماہتاب
ہوا جا کے مجرے میں ہر گل عذار　　محافہ گئے لے دُلہن کا کہار
محافے کو رکھ گھر سے باہر گئے　　وداں گھر سے جوں بادِ صرصر گئے
اُتر اپنے گھوڑے سے آیا بنا　　محافے کے نزدیک ہنستا ہوا
وہاں شاہ بیگم بھی آئی شتاب　　اور اس کی قفا آئی ہر ماہتاب
نکالی محافے سے باہر دلہن　　کھڑی ہوگئی واں وہ نازک بدن
دلہن کو اُٹھا گود میں وہ بنا　　خوشی سے عروسی کے گھر میں گیا
چھپرکھٹ[2] میں جاکر بٹھایا اسے　　زری کا چھپرکھٹ بھی بھایا اسے
وہ دولہا بھی بیٹھا چھپرکھٹ میں جا　　لی اس شاہ بیگم نے ان کی بلا
تصدق کیا دونوں پر زر کا گنج　　کھلایا انہیں ہنس ، شیر و برنج
ادا شہ کی ماں نے کیے سب رسوم　　خوشی کی طرب سے مچی گھر میں دھوم

---

1 مرخص = رخصت

2 چھپرکھٹ = پلنگ

بٹھا دونوں کو پاس بیگم گئی — صراف بزم عشرت کے خرم ہوئی
وہاں بیٹھی مسند پہ وہ رشک ماہ — دو طرف اس کے بیٹھے خیر خواہ
ہوئے دست بستہ کھڑے خادماں — لگیں ناچنے کسبیاں[1] بھی وہاں
اُٹھا گھر سے شادی کے گانے کا شور — بندھا اک سماں عیش و عشرت کا زور
پکھاوج بجی اور بین و رباب — لگی گانے ہر ڈومنی بے حجاب
مچا شور بربط کا اور چنگ کا — سماں بندھ گیا ، راگ اور رنگ کا
اکیلے چھپرکھٹ میں دولہا دولہن — لگاتے تھے آپس میں تازہ لگن
ہوئی جی میں ان کے محبت نئی — موافق ہوئی ان کی صحبت نئی
اِدھر سے کرشمہ اُدھر ناز تھا — محبت کا کیا خوب انداز تھا
وو گھونگھٹ سے دیکھے تھی منہ شاہ کا — یہ کرتا تھا نظارہ اس ماہ کا
غرض دونوں طالب تھے مطلوب تھے — دو عاشق تھے اور دونوں محبوب تھے
لگائی بنے نے بنی ساتھ لاکھ — ہوئی مشتعل عیش و عشرت کی آگ
گلے سے لگائی بنے نے بنی — تڑپنے لگی شرم سے کامنی
ہوئی جوشِ مستی جو اس ماہ کو — لٹایا چھپرکھٹ میں اس ماہ کو
دیا بوسہ اس لعلِ مے نوش پر — رکھی اس نے دو شاخِ گل دوش پر
کیا وا سمن رو کا بندازار — عجب بستہ غنچہ ہوا آشکار
صبا نے گزر اس چمن میں کیا — ہوا کے طپانچے سے غنچہ کھلا
ہوئی اس سمن کو عجب بے کلی — کہ کھولی صبا نے وو نازک کلی
دو غنچہ چنبیلی کا پُرخوں ہوا — وہ بستر شگوفے کا گلگوں ہوا
ہوا شاہ سرگرمِ عشرت گری — تڑپنے لگی درد سے ۔وہ پری
درآمد برآمد سے بے کل ہوئی — کہا چھوڑ کافر کہ اب میں موئی
ہوا شاد اس مہ کی صحبت سے شاہ — ہوا دست بردار عشرت سے شاہ
گلے سے لگا کر بنی کو بنا — چھپر کھٹ پہ خوش حال وہ سو رہا

---

[1] کسبیاں = بازاری عورتیں

تو اے ساقیِ غیرتِ ماہتاب ٹک اک بسترِ خواب سے اُٹھ شتاب
تو پانی سے دھو چشمِ مخمور کو پیالے میں بھر آبِ انگور کو
پلا دے مجھے بھر کے جامِ شراب کوئی دم میں ہوتی ہے مجلس خراب
دکھاتا ہے گردش نئی آسمان کوئی دم میں کرتا ہے ویراں جہان
کوئی دم میں کرتا ہے یہ بے حیا عروسی کے خانم کو ماتم سرا
چھڑاتا ہے تو گھر سے داماد کو کرے ہے خدا 'سروآزاد' کو
میرے ساتھ ....[1] جدائی کا قصہ ٹک اک گوش کر
سرِ شب وہ شہ نیند سے چونک اُٹھا سراسیمہ گھر سے وہ باہر گیا
ہوا جا کھڑا صحن میں رسما اور اس کا وجود تھا پھولوں میں بسا
اگرچہ تھی وہ رات غم کی سیاہ چھپا تھا جدائی کی منزل میں ماہ
ولے کثرتِ روشنی سے وہ گھر منور تھا مانندِ بیت القمر
چراغاں سے پُرنور تھے بے شمار در و بام اس قصر کے آشکار
نمایاں وہاں عالم نور تھا فروزاں وہاں شعلۂ طور تھا
اکیلا کھڑا 'سروآزاد' تھا سراسیمہ وہ رشکِ شمشاد تھا
کہ ناگاہ اوجِ ہوا سے وہاں ہوا ایک تختِ زمرّد عیاں
کہ بیٹھی تھی اس تخت پر اک پری کی تھی حسن و طلعت میں وہ مشتری
خوش اسلوب تھے اس کے اعضا تمام نزاکت پری اس پری کا تھا نام
گلے میں تھی پوشاک نیلوفری جواہر میں تھی غرق وہ مشتری
پڑی اس پری کی نظر شاہ پر ہوئی وہ پری عاشق اس ماہ پر
جھکا کر کے تخت اور پکڑ اس کا ہاتھ بٹھایا اسے تخت پر اپنے ساتھ
اُڑا تخت اس شاہ کو لے گئی پرستاں میں اس ماہ کو لے گئی
ولے تھی کھڑی اک پرستار اور مچایا یہ احوال دیکھ اس نے شور
کہ ہے ہے پری لے گئی شاہ کو نظر سے کیا غائب اس ماہ کو

[1] یہ مصرعہ پڑھا نہ جاسکا۔

پرستار کا سن کے شور و فغاں — ہوئے اکھٹے اس جا سب خادماں
یہ احوال سن کر پرستار سے — پٹکنے لگے سر کو دیوار سے
کیا خادموں نے بھی جوش و خروش — خروش ان کا پہنچا جو ہر اک کے گوش
سراسیمہ مجلس سے آئے نکل — لگے پوچھنے حال کھا کر کے بل
وہ احوال سن کر کے نالاں ہوئے — الم سے وہ سرگرمِ افغاں ہوئے
وہاں آئی بیگم بھی سن یہ خبر — کہا کیا ہوا میرا لختِ جگر
کہو کون ظالم اسے لے گیا — مرے دل پہ داغِ الم دے گیا
سن احوالِ فرزندِ دل بند کا — عجب طور سے اس نے ماتم کیا
گری خاک پہ منہ پہ ماٹی ملی — مچی گھر میں اس شاہ کے کھلبلی
وہاں بیٹھی بے ہوش 'بدرِ منیر' — ہوا جس کا گم شوہرِ بے نظیر
سن احوال نوشہ کا دُلہن — گری کھا کے غش واں وہ نازک بدن
قیامت مچی گھر میں اس شاہ کے — ہر اک دل سے نکلے اُٹھے آہ کے
ہوا گھر وہ شادی کا ماتم سرا — عجب طور کا گھر میں محشر مچا
کوئی مثلِ نرگس کے حیراں ہوئی — کوئی سنبل آسا پریشاں ہوئی
کسی نے گریباں کیا چاک چاک — کسی نے ملی اپنے مکھڑے پہ خاک
کوئی مثلِ غنچے کے خاموش تھی — کوئی کثرتِ غم سے بے ہوش تھی
خبر سن کے آیا وہاں بادشاہ — نظر آئی دلہن کی حالت تباہ
اُٹھایا اسے خاک سے شاہ نے — کیا صبر اس غیرتِ ماہ نے
گئی شرم سے اپنے گھر میں شتاب — گری جا چھپرکھٹ پہ وہ ماہتاب
گیا شاہ پھر شاہ بیگم کے پاس — نظر آئی وہ ماہرو بے حواس
زمیں سے اُٹھایا پکڑ اس کا ہاتھ — گیا لے کے گھر میں اسے اپنے ساتھ
گلے لگ کے اس کے ہوا اشک بار — ہوا غم میں بیٹے کے وہ دل فگار
وے سب خادماں اور کنیزاں تمام — وے سارے خواتینِ عالی مقام
ہوئیں جا کھڑی شاہ کے آس پاس — سراسیمہ و مضطرب بے حواس

وزیر اور ابنِ وزیر اشک بار   وہاں آئے مانندِ ابرِ بہار
کیا حال دونوں نے اپنا تباہ   ہوئے دست بستہ کھڑے گردِ شاہ
وہ شب بے قراری میں آخر ہوئی   غم و آہ و زاری میں آخر ہوئی
قیامت کا دن آشکارا ہوا   سب اسبابِ ماتم مہیا ہوا
نظر آیا سونا وہ گھر شاہ کا   بندھا تھا سماں اشک کا آہ کا
جدائی کا دن تھا قیامت کا دن   جگر سوز تھا وہ مصیبت کا دن
پدر مادر اور نو عروس فریب   جدائی سے نالاں تھے جو عندلیب
گل اپنے کا ڈھونڈے تھے وے سب سراغ   خزاں نے کیا پایمال ان کا باغ
پدر مثلِ یعقوب تھا اشک بار   جدائی سے یوسف کی تھا بے قرار
نہ تھا اس کی فرقت میں مادر کو چین   ہوا جب سے دور اس کا وہ نور عین
اور اس کی دلہن کی تھی حالت خراب   نہ دل کو تواں تھا نہ اور جاں کو تاب
زبوں حال تھا ہر ہواخواہ کا   کہ چھایا تھا غم دل پر اس ماہ کا
وزیر نکوخواہ نے سوچ کر   گویوں کو رخصت کیا دے کے زر
غرض شاہ بیگم نے اور شاہ نے   دلہن نے بھی اور ہر بہی خواہ نے
نہ کھانے کو کھایا نہ پانی پیا   کسی نے نہ آرام شب کو کیا
کٹے اس طرح تین دن تین رات   کہوں کس طرح میں مصیبت کی بات
کیا اس کی دلہن نے صبر و قرار   گئی پاس بیگم کے وہ اشک بار
اسے اور سلطاں کو مجرا کیا   کھڑی دست بستہ ہو ان سے کہا
کہ اس دم تمہیں صبر درکار ہے   خدا صابروں کا مددگار ہے
ملائے گا وہ تم کو محبوب سے   ملائے گا یوسف کو یعقوب سے
اُٹھو دھو لو پانی سے چہرہ شتاب   کرو نوشِ جاں تم طعام و شراب
بجا لاؤ شکرِ خدائے کریم   رضا پر رہو اللہ کی مستقیم
کہا اس وزیر ہواخواہ نے   کہا کیا سخن اس سے اس ماہ نے
کرو لطف سے اس کا کہنا قبول   جدائی میں نوشہ کی ہے یہ ملول

یہ سن بات سلطانِ ہشیار نے | اور اس بیگم ماہِ رخسار نے
گلے سے لگایا بہو کو وہاں | کرم سے بٹھایا بہو کو وہاں
بہم تینوں نے منہ کو پانی سے دھو | کیا صبر حق سے رضا مند ہو
تناول کئی لقمے کھانا کیا | وہ تینوں جفاکش نے پانی پیا
ملا سارے گھر کو الش شاہ کا | ہوا پر شکم ہر ہواخواہ کا
گری جا چھپر کھٹ پہ دولہن شتاب | پلنگ پر وہ بیگم ہوئی گرمِ خواب
پلنگ دوسرے پر وہ شہ سو رہا | وزیر اپنے بیٹے کو گھر لے گیا
رہے غم میں مادر پدر اور دلہن | ہوا گھر وہ شادی کا بیت الحزن
ہوئے فضلِ حق کے وے امیدوار | ملا دیوے بچھڑے سے پروردگار
رہو تینوں غم کش گرفتارِ غم | ہوئے وے جگر ریش بیمارِ غم
وزیرِ خردمندِ عالی وقار | ہوا جاں سے مصروف انجام کار
وہ رونق کہاں شہر و بازار کی | کہ اُجڑی وہ بستی جہاں دار کی
کہاں زیب و زینت وہ ایوان کی | کہاں وہ لطافت گلستان کی
کہاں غنچہ و گل کے وہ قہقہے | کہاں بلبلوں کے تھے وہ چہچہے (ورق: ۴۰)
کہاں چوک میں شہر کے دھوم دھام | کہاں خلق کا اس قدر ازدہام
کہوں کیا میں احوال اس شہر کا | کہ والی کا گھر سب اندھیرا ہوا
ذرا مجھ کو اے ساقیِ ماہ رو | مے ناب سے بھر کے دے آب رو
مے پرتگالی سے بھر دے ایاغ | کہ پینے سے اس کے قوی ہو دماغ
قوی دل ہو آرام ہو جان میں | کہ پہنچوں پرستاں میں اک آن میں
کروں جستجو 'سروآزاد' کی | خبر پاؤں اس رشکِ شمشاد کی
میں جاکر کے ڈھونڈوں پرستاں | نہیں اس سخن رو کا پاؤں سراغ
اگر ہو ملاقی وہ رشکِ قمر | خبر اس کی آکر کہوں اس کے گھر (ورق: ۳۵)
مرے دل میں ساقی یہی دھیان ہے | یہی عزم خاطر میں ہر آن ہے
تو مجھ کو پلادے مئے ارغواں | کہ اس گم شدہ کا کروں میں بیاں

شبِ وصل اس سروآزاد کو — گلستانِ شاہی کے شمشاد کو
گئی واں سے لے کے پرستان میں — بٹھایا اسے اپنے ایوان میں
گلے سے لگایا اسے پیار سے — کہا دردِ دل اپنے دل دار سے
محبت کی باتیں سنائیں اسے — ادا حسن کی سب دکھائیں اسے
کھلایا اسے میوۂ خشک و تر — پلایا اسے آب بھر جامِ زر
ہوا کھانے پینے سے وہ شادماں — کیا آب سے پاک دست و دہاں
تناول کیا بیڑا[1] پھر پان کا — ملا عطر خوشبو مدن پان کا
تامل سے دیکھا پری کا جمال — نظارہ کی اور غنج و دلال
نظر آئی وہ نازنین بے نظیر — گیا بھول دیکھ اس کو بدرِمنیر
ہوا اس کا عاشق دل و جان سے — ہوا کشتہ اس تیغِ مژگان سے
ہوا شیفتہ وہ پری زاد کا — لگا اس سے دل 'سروآزاد' کا
اگرچہ پری پر وہ مفتوں ہوا — اور اس رشکِ لیلیٰ کا مجنوں ہوا
ولیکن چھپایا محبت کا راز — نہ ظاہر کیا دل کا سوز و گداز
خراماں ہوا مثل کبکِ دری — لگا سیر کرنے مکانِ پری (ورق:۴۱)
پری بھی پکڑ ہاتھ میں اس کا ہاتھ — لگی پھرنے اس شاہ کے ساتھ ساتھ
مکاں اس کا دیکھا جواہر نگار — نئی زیب و زینت ہوئی آشکار
ہر ایوان و حجرہ و ہر مکان — مطلّع نظر آیا اس کو وہاں
مرصع جواہر تھے سب اس کے گھر — نمایاں تھے الماس و لعل و گہر
زمرد کے پردے تھے اور سائباں — طلا کے تھے استادے اس سے عیاں
لگی اس میں موتی کے جھالر تمام — مطلّا تھے اس گھر کے سب سقف و بام
بچھا فرش مخمل کا تھا جا بجا — زری کی تھی مسند بہت خوش نما
قنادیل زر کی لٹکتی تھیں واں — جواہر نگار اور تھے شمعداں
اور اس گھر کا آنگن عریض و طویل — رواں نہر تھی اس کے جوں سلسبیل

[1] بیڑا = پان کی گلوری

نئے چار طرف اس کے دیوار و در ۔۔۔ اور اس کا تھا در ، مثل جنت کا در

عیاں گرد دیوار اشجار تھے ۔۔۔ درختوں کے شیریں سب اثمار تھے

عجب طور کی تھی تاک بندی واں ۔۔۔ تھے انگور کے خوشے اس میں عیاں

چمن اور خیاباں تھے آراستہ ۔۔۔ لطافت سے خوبی سے پیراستہ

عیاں ہر چمن سے تھی گل کی بہار ۔۔۔ شگوفے کھلے تھے وہاں بے شمار

سیہ مست نرگس بھی مخمور تھی ۔۔۔ کسی کی محبت سے رنجور تھی

صبا ز ـ ""بل کو کرتی تھی وا ۔۔۔ کھنڈی[1] مشک کی بو تھی واں جابجا

اندھیرا نظر آیا لالے کو باغ ۔۔۔ کیا داغ سے اپنے روشن چراغ

خوش اسلوب آیا نظر ہر چمن ۔۔۔ شگفتہ گل و لالہ و یاسمن

اُگا گرد جوئبار سبزہ نیا ۔۔۔ وہاں خضر بیٹھا مصلیٰ بچھا

ہوا نسترن گرم ساقی گری ۔۔۔ ہوئی مست تب نرگس ....[2]

غرض سیر کر کے وہ سرور واں ۔۔۔ گیا گھر میں مسند پر بیٹھا واں

پری بیٹھی پہلو میں اس شاہ کے ۔۔۔ تصدق ہوئی جی سے اس ماہ کے

کہا شاہ نے اے پری زاد اگر ۔۔۔ کیا عشق نے تیرے دل میں اثر

اگر دل میں تیرے مری چاہ ہے ۔۔۔ اگر جاں سے میری ہواخواہ ہے

اگر مجھ کو لائی پرستان میں ۔۔۔ بٹھایا مجھے اپنے ایوان میں

طلب کر شتابی سے میرا وزیر ۔۔۔ کہ ہے وہ کمالات میں بے نظیر

مہیا پھر اسباب شادی کا کر ۔۔۔ میری عقد میں آ تو اے سیم بر

خوشی سے میں تجھ سے ہم آغوش ہوں ۔۔۔ صراحیِ عشرت سے مے نوش ہوں

بندھے جس گھڑی مجھ سے تیرا نکاح ۔۔۔ ترا وصل مجھ سے ہو اس دم مباح

سدا تیری خدمت میں حاضر رہوں ۔۔۔ ترے ماہ رو پر میں ناظر رہوں (ورق:۴۲)

پری نے کہا مجھ کو ہے یہ قبول ۔۔۔ کروں میں کہاں تیرا فرماں عدول

۱۔ کھنڈی = پھیلی ہوئی

۲۔ کرم خوردہ

پلنگ پر تو اب لیٹ ہو گرمِ خواب — کہ فردا کروں کام تیرا شتاب
پلنگ پر گیا لیٹ وہ بادشاہ — گئی لیٹ مسند پر وہ رشکِ ماہ
کہا اک پری زاد کو یاں سے جا — وزیر اس قمر رو کا جلدی سے لا
وے دونوں ہوئے اس گھڑی گرم خواب — گئی وہ پری زاد واں سے شتاب
گئی شاہ کے شہر میں وہ پری — خراماں ہوئی مثل کبک دری
وزیر اس قمر رو کا بے ہوش کر — اُڑی وہ پری اس کو رکھ دوش پر
بٹھایا اسے لا کے ایوان میں — کیا اس کو باہوش اک آن میں
جو دیکھا وہاں اس نے اس شاہ کو — ہوئی خرمی اس ہواخواہ کو
تصدق ہوا اس پلنگ پر وزیر — کہ سوتا تھا جس پہ شہِ بے نظیر
ہوا دل میں چین اس ہواخواہ کے — گیا لیٹ پٹی تلے شاہ کے
ہوا شاہ بیدار وقتِ سحر — وزیر آیا اس مہ کو سوتا نظر
کرم شاہ نے کر اُٹھایا اسے — خوشی سے گلے سے لگایا اسے
ہوا شاہ پر جی سے قرباں وزیر — کھڑا دست بستہ ہوا واں وزیر
اُٹھا شاہ تب بسترِ خواب سے — کیا پاک سارا بدن آب سے
پہن تن میں پوشاک نو وہ قمر — ہوا مسندِ ناز پر جلوہ گر
ہوئے جمع اس شاہ کے جب حواس — بٹھایا وزیر اپنی مسند کے پاس
اُٹھی بستر خواب سے وہ پری — گئی گھر سے باہر وہ کبک دری
ہرئی فارغ البال ہر کام سے — نہا کر نکل آئی حمام سے
نیا اس نے پہنا بدن پر لباس — کہ جس سے ہر اک گل کی آتی تھی باس
نیا اس پری نے کیا سب سنگار — نئی اس سمن نے دکھائی بہار
جہاں شاہ بیٹھا تھا آئی وہاں — خراماں خراماں وہ سروِ رواں
وہ مسند پر بیٹھی نئے ناز سے — کہا اس نے شاہِ سرافراز سے
کہ شادی کا سامان موجود ہے — یہ دن نیک ساعت بھی مسعود ہے
عروسی کا پہنا ہے میں نے لباس — دلہن بن کے آئی ہوں میں تیرے پاس

دیا اس پری نے لباس زری   چمک سے ہو جس کی خجل مشتری (ورق:۳۸)

کیا شاہ نے تن پر آراستہ   جواہر کیا اس پر پیراستہ

جواہر کا سہرا بھی باندھا نیا   سرِ نو سے اس کو بنایا نیا

ہوئے مسند آرا بنی اور بنا   سب اسباب شادی کا حاضر ہوا

پری زادی کی مادر آئی وہاں   اور اس ماہ کی خواہر آئی وہاں

اور آیا وہاں ایک خیل پری   کہ ہر یک تھی صورت میں جوں مشتری

ہوا واں ہجومِ پری زادگاں   وہاں بیٹھے اگر وہ مہ طلعتاں

وہ گھر ان کی طلعت سے روشن ہوا   گلوں سے وہ گھر رشکِ گلشن ہوا

کوئی غنچہ لب تھی کوئی گل بدن   کوئی سروقد تھی کوئی یاسمن

کوئی لالہ رخسار تھی مست ناز   کوئی نرگس چشم تھی سحر ساز

کوئی غیرتِ سروآزاد تھی   غرض رشکِ گل وہ پری زاد تھی

ہوا اک چمن حسن کا آشکار   نظر آئی ہر گل کی تازہ بہار

ملیقا کہ ان سب کا استاد تھا   حکیمِ زماں وہ پری زاد تھا

در آیا وہ مسجد میں باندھا نکاح   کیا شاہ پر اس پری کو مباح

ہوا منعقد عقدِ شمس و قمر   تصدق کیے ان پہ لعل و گہر

گیا واں سے استاد مسرور و شاد   کہ پایا زر و مال حد سے زیاد

بجا لائی مادرِ پری کی رسوم   ہوا ماہ رویوں کا اس دم ہجوم

بنے کے تصدق ہوئیں جان سے   ہوئیں اس کی قربان ارمان سے

ہوئے حاضر اس وقت سازندگاں   ہوئے ساز سب ساز شادی کے واں

بجا دائرہ اور قانون و چنگ   تنبورے بجے اور بجا سازِ رنگ

پکھاوج بجی اور بین و رباب   کہ جن کی صدا سے ہوا سنگ آب

ہوئے سب پری زادگاں نغمہ خواں   کیے موسیقی کے ہنر سب عیاں

دیا رنگِ نو سب مقامات کو   اثر تازہ بخشا طلسمات کو

حسینوں کو رنگِ عشیراں دیا   موافق مخالف کو باہم کیا

عجم کو عرب سے ہوا اتفاق ہوا ایک صورت مجاز و عراق (ورق:۳۹)
دکھایا نیا حسن آہنگ کا دکھایا سماں راگ کا رنگ کا
لگی ناچنے واں ملاحت پری تھرکنے لگی مثل کبک دری
کیا دل کو پامال تانوں کے ساتھ جگر کو کیا ٹکڑے آنوں کے ساتھ
گئی لے کے دل جنبشِ دست سے کیا مست جاں نرگسِ مست سے
نئی اس نے دکھلائی اپنی ادا قیامت تھی اور اس کے پا کی صدا
کیا جاں کو غارت کرشمے دکھا کیا دل کو پامال ٹھوکر لگا
عجب ناز تھے اور کرشمے عجب مزے سے کٹی رقص تا نصف شب
وہ گانا بجانا تب آخر ہوا تھرکنا پری کا سب آخر ہوا
گئی ہر پری اور ایوان میں گئے واں سے باہر سب اک آن میں
ہوئی اس جگہ مجلس آراستہ سب اسباب عشرت سے پیراستہ
لگے کھانے پینے پری زاد سب ہوئے اکل سے شرب سے شاد سب
ہوئی مائل خواب ہر رشکِ ماہ ہوئی خالی اغیار سے بزم شاہ
گیا اور حجرے میں اس کا وزیر اکیلا رہا وہ شہِ بے نظیر
پلنگ پر لٹائی نزاکت پری ہوا شاہ سرگرم عشرت گری
ہوا شہ ہم آغوش دلدار سے لیے بوسے اس مہ کے رخسار کے
نظر آیا شفتالوئے آب دار مزہ اس کا شہ نے لیا ایک بار
ملے ہاتھ میں اس کے دونوں انار ہوئی وہ سمن درد سے بے قرار
کیا نوش جاں شاہ نے جام مل اوٹھائیں خوشی سے. وے دو شاخ گل
کیا وا شتابی سے بند ازار شگوفے نے اپنی دکھائی بہار
طبرزد ہوا شاہ کا تب کھڑا شگوفے میں داخل ہوا جوں صبا
صبا کی طرح اس نے کھولی کلی ہوئی اس پری کو عجب بے کلی
گیا وہ طبرزد بروں سے دروں ہوا غنچہ تب تہہ بہ تہہ غرق خوں
کیا شاہ نے پی کے عشرت کا جام مہم زفاف اس پری کا تمام

لگا کر گلے سے پری کو شتاب پلنگ پر ہوا وہ قمر گرمِ خواب
ہوئے صبح بیدار سب خفتگان ہوئے حاجت اپنی سے فارغ وہاں
ہر اک شخص نے مکھڑا پانی سے دھو لباس و جواہر سے تیار ہو
ہوئے بزم آرائے عیش و سرور لبالب ہوئے مے سے جام بلور
نئی شان سے وہ بنی اور بنا ہوئے ایک مسند پہ جلوہ نما
نئے طور کا تھا بنی کا سنگار نئی سروِ آزاد کی تھی بہار
تصدق بنی اور بنے کے وہاں ہوئی خواہر و مادرِ مہرباں
بچھایا وہاں ایک دستار خواں مہیا ہوئی نعمتِ بے کراں
ظروفِ طلائی تھے نعمت سے پُر تھے اثمارِ شیریں حلاوت سے پُر
بلوریں پیالوں میں شیر و شکر کئی قاب میں میوہٗ خشک و تر
وہاں آکے بیٹھے وہ مہ طلعتاں کیا کھانا ہر شخص نے نوشِ جاں
تناول کیا کھانا اس شاہ نے اور اس نو عروسِ ہواخواہ نے
کیا سب نے آبِ خنک نوشِ جاں کیا پاک پانی سے دست و دہاں
ملا عطر ہر یک پری زاد نے اور اس دولہن اور اس کے داماد نے
مرخص ہوئی شاہ سے ہر پری گئی اپنے گھر مثل کبک دری
بہن اور مادر پری زاد کی بلا لے کے دولہن کی داماد کی
وہاں سے گئیں اپنے گھر میں شتاب رہا قصر زرّین میں وہ ماہتاب
اور اس کی دولہن اور اس کا وزیر اور اس کی پرستار خرد و کبیر
ہوا جوشِ مستی جو اس شاہ کو لٹایا چھپرکھٹ پہ اس ماہ کو
ہوا شام سرگرمِ بوس و کنار پری کو اٹھا ٹانگ کھولی ازار
وہ ہیرے کا بادن نمایاں ہوا زمرّد کے دستے کو داخل کیا
برآمد درآمد سے خوش دل ہوئی تڑپنے لگی جب کہ بیکل ہوئی
دیا اس قمر رو کو آرام دل کیا حاصل اس شاہ نے کام دل
دو ساعت رہا گرم عشرت وہ شاہ ہوئی تب جدا اُس سے وہ اشک ماہ

چھپرکھٹ سے دونوں اٹھے شادماں — گئے قصر سے جانب گلستاں
گئی ساتھ ہر اک پرستار بھی — گیا شہ کا دستور ہشیار بھی
گیا سروآزاد گلزار میں — گئی رشک شمشاد گل زار میں
پھرے ہر طرف باغ میں دونوں ساتھ — تھا اس شاہ کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ
کبھی حسن گل کا نظارہ کیا — گریباں تحمل کا پارہ کیا
ہوئے گوش زد غنچوں کے قہقہے — سنے بلبلوں کے کبھی چہچہے
سیہ مست سوسن کو دیکھا وہاں — پیالے میں گل کے مے ارغواں
گئے اک چمن میں اُٹھا کر قدم — نظر آئی نرگس وہاں یک قلم
نظر آیا سنبل پریشاں وہاں — سمن نیر مانندِ زلف بتاں
زمیں سے اُگا دیکھا سبزہ نیا — کھڑا تھا وہاں خضر پکڑے عصا
شگوفے کھلے بید کے بے شمار — بھری ہر شگوفوں میں مشکِ تتار
بنفشے کا تھا فرش گل زار میں — نئی لہر اُٹھی تھی جوبار میں
نظر آئی وہ نہرِ آب رواں — لب نہر آئے تماشاں کناں
نظر آئے اس کے یمین و یسار — طلاکار فوارۂ بے شمار
مسلسل تھے وے قطرہ زن شور سے — کہ جس طرح برسے گھٹا زور سے
غرض سیر کی باغ کی شاہ نے — اور اس کی دلہن غیرتِ ماہ نے
سرِ شام گھر میں وے آئے شتاب — ہوئے مسندآرا وے دو ماہتاب
کیا میوۂ خشک و تر نوشِ جاں — پیا پانی اور دھویا اپنا دہاں
ملا عطر دونوں گل اندام نے — اور ان کے وزیر نکو نام نے
نزاکت پری کی سہیلی تمام — کہ تھیں وے پری زاد عالی مقام
پہن آئیں پوشاکِ نیلوفری — کہ دامن میں تھا ان کے کارِ زری
پہن آئیں زیور بھی الماس کا — لیا دل لبھا جن کا اور ناس[1] کا
پری زاد کے اور شہ کے حضور — کھڑی ہو گئیں باندھ صف مثلِ حور

---
[1] ناس = انسان

کیا ساز ہر ساز ابراز نے ۔۔۔ نکالے مقامات ہر ساز سے
پکھاوج بجی اور قانون و چنگ ۔۔۔ تنبورے بجے اور بجا جل ترنگ
اُٹھی زور سارنگیوں کی صدا ۔۔۔ ہوئی کارگر دل میں نے کی نوا
ہوئے وے پری زاد سب نغمہ خواں ۔۔۔ ہوئی آشنا راگ سے ہر زباں
لگی ناچنے ناز سے اک پری ۔۔۔ دکھائی نئی طرز رامش گری[1]
غضب اس کے گھنگھرو کی آواز تھی ۔۔۔ نئی ناچ کی اس کے پرواز تھی
تھرکتی تھی وہ سم سے اور تال سے ۔۔۔ دکھاتی تھی اٹکھیلیاں چال سے
دکھا ڈیڑھ گت کیا مٹکتی تھی وہ ۔۔۔ بتا بھاؤ دامن جھٹکتی تھی وہ
نیا ناچنا تھا اور نئی اس کی آن ۔۔۔ نئی گٹکری تھی نئی اس کی تان
سماں ناچ کا اس کے کیا خوب تھا ۔۔۔ وہ گانا بھی اس کا خوش اسلوب تھا
بندھا تھا سماں ناچ کا راگ کا ۔۔۔ نظر آیا شعلہ وہاں آگ کا
مجسم نظر آیا شعلہ وہاں ۔۔۔ ہوا برق کا ایک پارہ عیاں
عجب اس کے رخسار کی تھی چمک ۔۔۔ کہاں ایسی الماس کی ہو دمک
صدا آئی واں غیب سے ایک بار ۔۔۔ تجلّی خدا کی ہوئی آشکار
کیا واں گزر ایک محبوب نے ۔۔۔ بت سرو قدِ خوش اسلوب نے
وہ خورشیدرو بادلا پوش تھی ۔۔۔ نگہ اس کی غارت گرِ ہوش تھی
تن اس کے سے زینت جواہر کو تھی ۔۔۔ صفا اس کے قامت سے زیور کو تھی
خوش اندام تھی یاں تلک وہ پری ۔۔۔ کہ اس سے خجل تھا لباسِ زری
مجسم تھی وہ شمع رو نور سے ۔۔۔ وہ نکلا تھا شعلہ مگر طور سے
وہاں جس کی اس پر پڑی جا نظر ۔۔۔ گرا فرش پر ہو کے وہ بے خبر
گئی ہنس کے نزدیک اس ماہ کے ۔۔۔ وہ کافر ہوئی روبہ رو شاہ کے
نیا حسن اپنا دکھایا اسے ۔۔۔ کیا تیز مژگاں سے گھائل اسے
دکھائی اسے وہ نگہ صیدگیر ۔۔۔ کیا دامِ کاکل میں اس کو اسیر

[1] رامش گری = گانے کا

کرشمے دکھا کر کے بیٹھی وہ حور	دکھایا اسے اپنا ناز و غرور
اگرچہ کیا بے خود اس ماہ نے	ولیکن کیا ضبط اس شاہ نے
سنبھل کر کے مسند پہ بیٹھا وہ شاہ	کہا اس سے اے غیرت مہر و ماہ
کرم سے بتا کیا ترا نام ہے	کہاں تیرا گھر ہے کہاں بام ہے
رہی چپ وہ پھر بھی پری ناز سے	نہ بولی ذرا اس سرافراز سے
نزاکت پری نے کہا شاہ سے	کہ میں خوب واقف ہوں اس ماہ سے
قرابت یہ رکھتی ہے ہم سے قریب	ظفرنوش اس کا پدر ہے طبیب
نجوم اور حکمت میں ہے بے نظیر	اور اس مہ کا ہے اسم روشن ضمیر
خردمند ہے گرچہ ہے خرد سال	خدانے دیا اس کو حسن و جمال
یہ ہے عالم حسن میں بے نظیر	یہ آہو نگہ ہے عجب شیر گیر
دکھا کر کے ناز و کرشمہ نیا	ہزاروں جوانوں کو بسمل کیا
یہ کافر نپٹ شوخ و طنار ہے	فسوں ساز ہے شعبدہ باز ہے
ہزاروں کے دل کو لبھاتی ہے یہ	ہر اک گھر میں آتش لگاتی ہے یہ
نہ رکھتی ہے لیکن کسی سے یہ کام	بچھاتی ہے یہ سحر و افسوں کا دام
مرے قصر سے ہے قریب اس کا گھر	کرم کر کے تشریف لائی ادھر
یہ کہہ لطف سے پھر بلایا اسے	قریب اس نے اپنے بٹھایا اسے
دیے پان کے بیڑے پھولوں کے ہار	دیا عطر و گل اور کیا اس سے پیار
محبت کی کرنے لگی گفتگو	ہوئے شاد و خرم وے دو ماہرو
لگیں دیکھنے ناچ اور راگ و رنگ	لگیں سننے آوازِ قانون و چنگ
شتابی سے واں ایک آئی پری	بجا لائی وہ رسمِ ساقی گری
دیا ہاتھ میں شاہ کے مے کا جام	پیا شاہ نے جام ہو شادکام
پیالے کو لب ریز مے سے کیا	پیالہ نزاکت پری کو دیا
پیا اس پری نے جو جامِ شراب	ہوئی شاد و خرسند وہ ماہتاب
پیالے کو بھر ساقیِ بے نظیر	شتاب آیا نزدیکِ روشن ضمیر

دیا ہاتھ میں اس کے جامِ شراب　　کیا نوشِ جاں ساغرِ مے شتاب
اونہوں نے پیے چند جامِ بلور　　ہوا ان کو پینے سے حاصل سرور
مرخص بنوں شر سے روشن ضمیر　　گئی اپنی منزل میں وہ بے نظیر
ہوا ناچ موقوف و ہمراہ شاہ　　گئی طرف خلوت کے وہ رشکِ ماہ
چھپرکھٹ پہ لیٹی نزاکت پری　　کیا شاہ پاس اس کے جوں مشتری
لگائی گلے سے پری شاہ نے　　کرشمے کیے اس ہواخواہ نے

....　　...[۱]

....　　...[۲]

دی اس میوۂ تر نے لذت نئی　　اُٹھائی شکر سے حلاوت نئی
ہوا شاہ محظوظ اس ماہ سے　　ہوئی شاد وہ ماہ اس شاہ سے
غرض عیش و عشرت سے خرم ہوئے　　وہ آپس میں ہم راز و ہمدم ہوئے
جدا ہو کے اس شہ سے وہ ماہتاب　　گلے شاہ کے لگ ہوئی گرمِ خواب
کہاں اس کی آنکھوں میں آتا تھا خواب　　کہ تھا اس کے دل کو نپٹ اضطراب
اُٹھا وہ چھپرکھٹ سے باہر گیا　　بلا کر وزیر اپنا اس سے کہا
کہوں کیا کہ دل کو میرے کیا ہوا　　کہ بے چین اس دل نے مجھ کو کیا
گئی دل مرا لے کے روشن ضمیر　　کروں کیا میں تدبیر کہہ اے وزیر
یہ کہہ کر سخن رو دیا شاہ نے　　کہا اس وزیرِ ہواخواہ نے
ٹک اک تم کو لازم ہے صبر و قرار　　کرو اپنے دل کو ذرا استوار
تم اب مت کرو اس قدر اضطراب　　ملاؤں گا اس کو میں تم سے شتاب
نزاکت پری پر رہو مہربان　　کہ عاشق ہے تم پر وہ دیتی ہے جان
کروں گا میں راضی اسے بھی شتاب　　تم اب جا چھپرکھٹ میں ہو گرمِ خواب
یہ سن کر سخن شاہ گھر میں گیا　　پری کو گلے سے لگا سو رہا

---

۱ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے اشعار پڑھے نہیں جاسکتے۔

۲ ایضاً

گیا اس طرف کو وہاں سے وزیر
کہ تھا جس طرف قصرِ روشن ضمیر

نظر آیا وہ قصر ....[1]
کہ تھا زیب و زینت میں قصر بہشت

گیا ایک دل کش مکاں میں وزیر
کہ بیٹھی تھی مسند پہ روشن ضمیر

بلایا اسے پاس اس ماہ نے
بٹھایا اسے پاس اس ماہ نے

کہا اس نے اس دم ہی نصف شب
بتا کیا ہے آنے کا تیرے سبب

کہا جب کہ کی خواب اس ماہ نے
ترے پاس بھیجا مجھے شاہ نے

کہ دیکھوں ترا حال پوچھوں خبر
کہوں گوش میں اس کے وقت سحر

نزاکت پری سے جو ہو وہ جدا
کہوں اے پری تیرا سب ماجرا

اگر تیرے دل میں ہو اس شہ کی چاہ
ملاؤں تجھے اس سے اے رشکِ ماہ

ہوئی سن کے گریاں وہ روشن ضمیر
کیا گوش کر میرا حال اے وزیر

کہ میں حسن پر اپنے مغرور تھی
سدا اپنی منزل میں مسرور تھی

نہ رکھتی تھی میں گل عذاروں سے کام
اکیلی میں رہتی تھی گھر میں مدام

نزاکت پری تھی مری خیر خواہ
میں جاتی تھی اس کے کنے[2] گاہ گاہ

کبھی میری منزل میں آتی تھی وہ
کبھی مجھ کو گھر میں بلاتی تھی وہ

غرض مجھ سے اس سے ملاقات تھی
مصیبت کی شب آج کی رات تھی

گئی آج کی رات میں اس کے گھر
پڑی شاہ پر ترے میری نظر

غضب حسن دیکھا ترے شاہ کا
نظر آیا مکھڑا ترے شاہ کا

ہوئی اس کے مکھڑے پہ جی سے فدا
ہوئی حسن پر اس کے میں مبتلا

بجا لاتیں فرمان محبوب کا
نکالیں سب ارمان محبوب کا

کہا اہل کاروں سے آؤ شتاب
خزانے سے لو مال و زر بے حساب

عروسی کا ساماں مہیّا کرو
مرا قصرِ دولت مصفا کرو

ہوئے اہل کار اس کے مصروف کار
ہو استاد دستور عالی وقار

---

[1] کاغذ پھٹا تھا۔

[2] کنے = پاس، قریب

کیا شہ کو بیدار تب خواب سے | دھلایا رُخ اس شاہ کا آب سے
سنائی خوشی کی خبر شاہ کو | ۲ .... ماہ کو
ہوا شاہ خوش .... ۳ | ۴ ....
بلا پاس اس کے وہ .... ۵ | ۶ ....
گلے سے لگا کر .... ۷ | ۸ ....
ہو گرم عشرت .... ۹ | ۱۰ ....

کد خد اشدنِ سرو آزاد با روشن ضمیر و عیش کردن آن بے نظیر و بر آں روشن ضمیر و بہ آں حضرت و ملاقات کردن بابدر منیر پدر آں شاہ بے نظیرو بعد از ہفتہ باز آمدن پرستان و رفتن روشن ضمیر و نزاکت پری ہم راہِ آں شاہ جم و جاہ بہ مصرو ملا قات کردن با سلطان فیروز شاہ، بیگم بدر منیر و استقامت کر دو پری آن شاہ زادہ بے نظیر، و حاملہ شدن و زائیدن اطفال نزاکت پری و روشن ضمیر .... ۱۱ آں ہر سہ خوبان بے نظیر

مصفا کیا قصر کا ہر مکان | لگائے نئے پردے اور سائبان (ورق:۵۳)
بچھایا نیا فرش مخمل کا واں | بچھائی نئی مسندِ زر فشاں
کیا صحن خانہ کو ہموار صاف | مسطح کیا اس کو جوں کوہ قاف
کیا سبز و شاداب گل زار کو | کیا بادلا پوش اشجار کو
مطلا کیے باغ کے نونہال | بھرا .... دل کش میں آب زلال ۱۲
ہوئی زیب زینت نئی .... | ۱۳
ہوئے جام عشرت سے .... | ۱۴

۲ تا ۱۰ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے اشعار پڑھے نہیں جا سکے۔
۱۱ کرم خوردہ
۱۲ لفظ غائب تھا۔
۱۳ تا ۱۴ ۲ تا ۸۔ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھا نہیں جا سکا۔

جواہر میں تھی غرق ہر نازنیں — زرافشاں تھی ہر نازنین کی جبیں
ہر اک نازنیں کی نئی آن تھی — نئی ان کی زینت نئی شان تھی
کرشمے نئے اور نئے ناز تھے — فسوں گر تھے سب شعبدہ باز تھے
ہوئے بزم آرا وہ سب رشکِ ماہ — عجب طور کا واں رچا تھا بیاہ
بنایا بنا مل کے اس شاہ کو — پہنایا نیا جوڑا اس ماہ کو
ہر اک شاخ و ہر برگ و اشجار پر — ہر اک غنچہ و گل ہر اک خار پر (ورق:۵۴)
فروزاں ہوئی شمع کافور کی — نظر آئی واں روشنی طور کی
جدھر دیکھو واں عالمِ نور تھا — عیاں ہر طرف شعلۂ طور تھا
ستاروں کے گنج اور ہوائی کے گنج — خوش اسلوب تھے روشنائی کے گنج
چھٹے اور لاکھوں انار .... ۱ — ہزاروں ہوئیں .... شعلہ بار ۲
بجی شادیانے کی نوبت وہاں — ۳
دکھایا سماں کرنا نے .... ۴ — سہانی بجیں اور شہنائیاں
پری پیکروں کے ہزار .... ۵ — ۶
ہزاروں چراغ ان پہ روشن کیے — نمایاں فروزاں وہ نخل و شجر
عجب روشنی کا بندھا تھا سماں — کہ جس سے منور تھا ارض و سماں
ہزاروں تھی قندیل بلور کی — منور تھی واں شمع کافور کی
عجب روشنی تھی عجب نور تھا — کہ جس سے خجل شعلۂ طور تھا
.... ۷ — قمر طلعتوں کا تھا واں ازدہام
لطافت سے پیراستہ .... — ۸
.... حجرہ خوش اسلوب تھا ۹ — ۱۰
عجب عالمِ نور تھا ہر طرف — عیاں شعلۂ طور تھا ہر طرف (ورق:۵۵)
نہا دھو کے اس وقت روشن ضمیر — پہن کپڑے دولہن بنی بے نظیر
زری کا لباس اس کا تھا خوش نما — تمام اس کا زیور تھا الماس کا

۱ تا ۱۰ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے الفاظ پڑھے نہیں جا سکے۔

کیا آپ کو اس نے آراستہ
نئی زیب و زینت سے پیراستہ

نئی دست و پا میں لگائی حنا
۱ ....

اور اس مہ سے چوٹی گندھائی نئی
۲ ....

زرافشاں کی اس نازنیں نے جبیں
۳ ....

اور اس ماہ نے رخ پہ غازہ ملا
۴ ....

ہوئی آ گھڑی اس پری کے حضور
گلوں سے ہوئی پُر وہ بیت السرور

گئے عاملاں لے کے وہ تخت شاہ
جہاں جلوہ گر وہ درخشندہ ماہ

نزاکت پری اور پریاں تمام
اور اس شہ کا دستور عالی مقام

گئے ساتھ اس شاہ کے قصر میں
رکھا تخت اس ماہ کے قصر میں

۵ ....
نزاکت سے وہ نازپرور چلا

۶ ....
کہ جاتا تھا وہ جوں نسیم بہار

۷ ....
عیاں حسن تھا اس کے رخسار سے

۸ ....
نظر آئی وہ آفتِ روزگار

پکھاوج بجی اور بجا ساز رنگ
تنبورے بجے اور قانون و چنگ (ورق:۵۶)

شہانے میں گائیں نئی گھوڑیاں
دعا دی کہ قائم رہیں جوڑیاں

دو سہرے بنے کے بھی گائے گئے
سہاگ اس بنی کے سنائے نئے

جواہر کے زر کے طبق بے شمار
کیے سر پہ نوشہ کے اس دم نثار

لیا وہ جواہر ، وہ زر بے شمار
ہوئے گانے والے وہ سب مال دار

لگی ناچنے ایک زہرہ جبیں
لگی گانے ۹

تھرکنے لگی مثلِ طاؤس وہ
۱۰ ....

کسی کی نہ تھی اس کو شرم و حیا
۱۱ ....

گویوں نے باندھا سما راگ کا
ہوئے مل کے سب گرم صوت و صدا

کیا رقص ، آغاز رقاص نے
سراہا اسے عام نے خاص نے

---

۱ تا ۱۱ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے الفاظ پڑھے نہیں جاسکے۔

ہوا جلوہ گر ساقیِ رشکِ حور — لبالب کیا مے سے جامِ بلور
نزاکت پری کو دیا وہ ایاغ — ہوا جس کے پیتے معطر دماغ
دیا ہر پری رو کو جامِ شراب — ہوئی مست پیتے ہی ہر ماہتاب
.... تھا سما [۱] — طرب سنج وہ شاہ عالی ہوا
.... — [۲] .... (ورق:۵۷)

ہوئی سخت بے تاب عشرت سے وہ — ہوئی ناخوش اس شہ کی صحبت سے وہ
لیا شاہ نے اس پری کا مزہ — دمِ صبح اس سے ہوا وہ جدا
بٹھا تخت پر لے گیا اپنے گھر — جلو میں چلا اس کے ہر سیم بر
چلا بیاہ کر وہ جلیل الصفات — چلی اس کے ہمراہ ساری برأت
ہوا داخل اس قصر زرّیں میں شاہ — [۳] ....
پکڑ ہاتھ اپنی بنی کا بنا — [۴] ....
ہوا مسند آرا وہ شاہِ زمن — [۵] ....
نزاکت پری اور روشن ضمیر — کہ خوبی میں دونوں تھیں وے بے نظیر
گلے سے لگایا انہیں شاہ نے — پلنگ پر لٹایا انہیں شاہ نے
پلنگ پر گیا لیٹ وہ بادشاہ — ہوئیں اس سے توام وے دو رشک ماہ
ہوئے دولتِ وصل سے کامیاب — ہوئے ایک جا تینوں سرگرمِ خواب
ہوئے آخری روز بیدار سب — ہوئے خواب غفلت سے ہشیار سب
[۶] .... دھو — ہر اک کام سے فارغ البال ہو
[۷] .... — وہاں آیا دستور اک آن میں
[۸] .... — مناسب ہے اے سرور بے نظیر

وہاں بھیجا اس ماہ رو نے شتاب — نزاکت پری کے لیے ایک قاب (ورق:۵۸)
بنی سنگ بلور سے قاب تھی — بھری سیب و انگور سے قاب تھی
کیا نوش جاں شاہ اور ماہ نے — اور اس کے وزیر ہواخواہ نے

---

۱ تا ۸ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے الفاظ پڑھے نہیں جاسکے۔

کیا پاک پانی سے دست و دہاں — گیا طرفِ خلوت وہ شاہِ جہاں
گئی ساتھ شہ کے نزاکت پری — خراماں خراماں مثل کبک دری
لگا کر گلے سے کیا شہ نے پیار — ایک بار ....[1]
گیا شاہ نزدیک روشن ضمیر — گیا اور ہم راہ اس کے وزیر
اُٹھی دور سے دیکھ وہ شاہ کو — ادب سے کیا مجرا اس ماہ کو
بٹھایا اسے لا کے مسند پہ واں — قریب اس کے بیٹھی وہ نازک وہاں
تصدق ہوئی شاہ کے وہ پری — تصدق ہوئی ماہ کے مشتری
مہیا کیا میوۂ خشک و تر — کباب اور نان اور شیر و شکر
تناول کیا میوہ[2] .... — کیا نوش جاں آب بھر بھر کے جام
........[3] — لگی گنجفہ کھیلنے شاد ہو
........[4] — اٹھے دونوں خرسند گیتی فروز
کرشمہ نیا اس پری نے کیا — نیا ناز اس مشتری نے کیا
.... — ....[5]
ہوئی ترش رو وہ نزاکت شعار — گلے کی ہوئی ہار وہ گل عذار
نکالے سب ارمان اس شاہ نے — کیا جی کو قربان اس شاہ نے
ہوا مست شہوت پرستی سے وہ — ہوا بے خبر جوشِ مستی سے وہ
.... — ....[6]
.... — ....[7]
.... — ....[8]
عرق ریز دونوں کا رخسار تھا — عرق جسم پہ بھی نمودار تھا
نظر آیا دونوں کو جب اضطراب — پرستار نے منہ پہ چھڑکا گلاب
وہیں بادکش سے اُٹھائی ہوا — گلاں کے بدن پر لگائی ہوا
ہوا چین ان دونوں گل رو کو واں — کیا جامِ آب خنک نوش جاں

۱ تا ۸ پڑھا نہیں جاسکا۔

ہوئے آخری روز وہ بے قرار
ہوئے تختِ زرّیں پہ دونوں سوار

پری پیکروں نے اُٹھایا وہ تخت
زمیں سے ہوا پر اُڑایا وہ تخت

ہوا تخت اوجِ ہوا پر رواں
کہا اس پری نے کہ اے میری جاں

نزاکت پری کس طرح سے بتا
تجھے تیرے کشور سے لائی اُٹھا

۱ ....
کہا اس پری نے کہ نہ ہے ہی غضب

....
۲ .... تیری دلہن سے جدا

وہاں شاہ کا قصر آیا نظر
اتارا وہیں تخت کو نام پر

کھڑے دست بستہ ہوئے سب وہاں
ہوئے چشم مردم سے وہ سب نہاں

پکڑ ہاتھ میں ہاتھ اس شاہ کا
اتر تخت زریں سے وہ خوش ادا

گئی رواں زینہ سے وہ ماہتاب
گیا اس کے ہم راہ وہ آفتاب

کہا اس طرف چل شہِ بے نظیر
کہ جس گھر میں رہتی ہے بدر منیر

گیا گھر میں دلہن کے وہ بادشاہ
گئی ساتھ اس شہ کے وہ رشکِ ماہ

نظر آئی اس کو جو روشن ضمیر
گلے سے لگی اس کے بدر منیر

قرینے سے جانا کہ ہے یہ پری
مزے لے بہاروں کی ہے مشتری

جدا ہو پری سے وہ عالی مقام
۳ ....

پری نے کہا میری خواہر ہے تو
مری مونسِ جان و دل بر ہے تو

پدر اور مادر کو پہنچی خبر
کہ بیٹھا ہے وہ شاہ دلہن کے گھر

تب دل سے گھبرا کے آئے وہاں
دواں ان کے پیچھے تھے سب خادماں

پری نے چھپرکھٹ سے اُٹھ آگے آ
جھکا سر کو دونوں کو مجرا کیا

پڑی شاہ بیگم کی اس پر نظر
لگایا گلے سے اسے دوڑ کر

نظر آئی بیگم کو روشن ضمیر
نزاکت میں اور حسن میں بے نظیر

تصدق ہوئی اس بشرزاد کے
فدا جی سے اس رشکِ شمشاد کے

چھپرکھٹ سے وہ شاہ جلدی اُٹھا
پدر اور مادر کو مجرا کیا

۱ تا ۳ پڑھنا دشوار تھا

کہا اس پری نے کہ اے میرے شاہ — لبالب ہے دل میں مرے تیری چاہ (ورق:۶۱)
میں جاتی ہوں یاں سے پرستان میں — میں پہنچوں گی گھر اپنے اک آن میں
فراغت سے تو رہ یہاں رات دن — بنی وصل سے ہو ترے مطمئن
میں آؤں گی پھر آٹھویں دن یہاں — بٹھا تخت پر تجھ کو اے میری جاں
یہاں سے پرستان لے جاؤں گی — اور اپنے گلستان لے جاؤں گی
یہ کہہ کر گئی بام پر وہ پری — اڑی تخت پر بیٹھ وہ مشتری
گئی قصر میں اپنے روشن ضمیر — ہوا حاضر اس وقت شہ کا وزیر
بھیانک ہو پوچھا کہ ہے شہ کہاں — پری نے کیا ماجرا سب بیاں
چھپرکھٹ پہ جا کر لٹایا اسے — پھر اپنے گلے سے لگایا اسے
لیے بوسے اس ماہِ رخسار کے — ہوئی وہ فدا اس خریدار کے
ہوا گرمِ عشرت شہِ بے نظیر — ہوئی عشوہ پرداز بدر منیر
.... — ۱ ....
.... — ۲ ....
.... — ۳ ....
.... — ۴ ....
نیا عیش و عشرت کا انداز تھا — بنی کا بنے سے نیا ناز تھا
۵ .... عیش کا گرم بازار تھا — ۶ .... دیدار تھا
ہوئے دونوں محظوظ عشرت سے تب — ہوئے شاد و خوش حال صحبت سے تب (ورق:۶۲)
ہوئی وہ بنی اس بنے سے جدا — کہ دونوں کا حاصل ہوا مدعا
گیا شاہ واں سے پدر کے حضور — پدر کو ہوا دیکھ اس کو سرور
فدائے پسر شاہ بیگم ہوئی — اسے دیکھ کر شاد و خرم ہوئی
گلے سے لگایا بٹھایا اسے — کرم کر کے کھانا کھلایا اسے
دوا اور دائی تصدق ہوئی — اور اس کی کھلائی تصدق ہوئی

۱ تا ۶ کرم خوردہ

تصدق ہوئی اس کی ....[1] — غرض ایک اک اس پر قرباں ہوئی

گیا واں سے وہ شاہ دیوان میں — وہیں بٹھا کرسی پہ ایوان میں

وزیرِ پدر اور اس کا وزیر — ....[2]

ہوا گرم عشرت نئے طور سے — اٹھائی حلاوت نئے طور سے

عجب طور اس کام جو نے لیا — مزہ ناشپاتی کا انگور کا

ہوا سیر اس میوۂ خام سے — ہوا تب جدا اس دل آرام سے

غرض ایک ہفتہ کٹا عیش میں — شب و روز وہ شہ دیا عیش میں

ہوئے اس کے مادر پدر شادکام — جمال پسر دیکھ کر صبح و شام

ہوا عیش میں ایک ہفتہ تمام — ہوا منتظر شاہ عالی مقام

پہن رختِ گل رنگ روشن ضمیر — جواہر میں ہو غرق وہ بے نظیر

ہوئی تخت پرّاں پہ گھر سے سوار — زمیں سے اڑا تخت مثلِ غبار

گئے تینوں اس وقت بیگم کے پاس — کہ بیٹھی تھی وہ شاہ عالم کے پاس (ورق:۶۳)

ادب سے جھکا سر کو مجرا کیا — ہوئے دست بستہ کھڑے ایک جا

بلا پاس اپنے بٹھایا انہیں — کرم کر کے گلے سے لگایا انہیں

انہیں دیکھ سلطاں ہوا شادکام — خوشی سے کیا اس پری سے کلام

سپرد اس پری کے کیا شاہ کو — مرخص کیا اپنے اس ماہ کو

پری نے کہا پھر کے آتی ہوں میں — شتاب اس سے تم کو ملاتی ہوں میں

ذرا صبر کرنا تمہیں ہے ضرور — سدا ہم رہیں گے تمہارے حضور

مرخص ہوئی سب سے روشن ضمیر — ہوا ساتھ وہ شاہ و اس کا وزیر

ہوئے تخت پرّاں پہ تینوں سوار — ہوا پر اڑا تخت مثل شرار

چھپا چشم مردم سے اک آن میں — ....[3]

پری کی وہ منزل میں پہنچا شتاب — ....[4]

اتر تخت سے آئے ایوان میں — ....[5]

---

۱ تا ۵ کرم خوردہ

گلے سے لگی اس کے وہ رشکِ حور　　ہوا دل کو آرام ، دل کو سرور
وہ بیٹھی طرب ناک اس شہ کے پاس　　ہوئے جمع اس نازنیں کے حواس
کہا اس پری نے کہ اے میری جاں　　بتاؤ یہاں سے گئے تھے کہاں
کہا شاہ نے اے نزاکت پری　　ہوا منقص دورۂ مشتری
جہاں میں ہے اب دورِ بدرِ منیر　　کہ ہے اس کی عاشق یہ روشن ضمیر
گئے تھے وہاں ہم پرستان سے　　ہوئے تھے نثار اس کے ہم جان سے
پدر اور مادر سے اپنے ملے　　وہاں جا کے سب گھر سے اپنے ملے
اب آئے ہیں ہم پھر پرستان میں　　کریں سیر گل اس گلستان میں
کئی دن رہیں پھر وطن کو چلیں　　وہاں جا کے اپنی دلہن کو ملیں
۱ ....　　رہیں باپ کے پاس دل شاد ہم
۲ ....　　گھر اپنا اٹھا کر کے یہ بے نظیر
۳ ....　　ہمارے کیے پہ رہے شادماں
تیری میں کنیزِ ہواخواہ ہوں　　جہاں تو چلے تیرے ہمراہ ہوں (ورق: ۶۵)
تجھے دیکھ کر شاد ہوئی میں　　تیرے ہجر میں جاں کو کھوتی ہوں میں
۴ ....کہاں تیری دوای　　تری بات سب مجھ کو منظور ہے
چل اب میرے ہمراہ اے میرے شاہ　　مرے مال اسباب پر کر نگاہ
زر و مال اسباب حجرے میں بھر　　مقفل کر اور اس پہ تو مہر کر
اٹھا ....۵ میرے اے نیک نام　　چلیں سر پر رکھ فرۂ دیوان تمام
اسی طور سے گھر کو روشن ضمیر　　ترے شہر لے جائے اے بے نظیر
پلنگ پر گیا لیٹ وہ آفتاب　　گلے سے لگی اس کے وہ ماہتاب
....　　۶ ....
....　　۷ ....
....　　۸ ....

۱ تا ۸ کرم خوردہ

.... [1]

.... [2]

غرض اس کو حاصل ولادت ہوئی میسر انہیں تازہ لذت ہوئی

پلنگ پہ گئی لیٹ وہ ماہتاب ہوئے دونوں اس وقت سرگرم خواب

اٹھے صبح دم بسترِ خواب سے کیا پاک رخسار کو آب سے

ہوئے دونوں فارغ ہر اک کام سے ہوئے سیر سب اکل[3] اطعام سے

کیا نوش جاں آب سیراب ہو کیا مضمضہ[4] آب سے ہاتھ دھو

ہوئے مسندآرا وے دو ماہتاب دیا نرہ[5] دیوؤں کو حرماں شتاب

اٹھایا زمیں سے وہ قصرِ طلا اسے نرہ دیوؤں نے سر پر رکھا

اڑے سر پہ رکھ..............[6] خاک سے ہوئے متصل اوج افلاک سے

ہوا پر چلے مثل برق رواں گئے ایک دم میں کہاں سے کہاں

نزاکت پری کے بھی گھر کو شتاب اٹھا نرہ دیوؤں نے مثلِ حباب

رکھا سر پر اپنے ہوا پر چلے سر راہ اس قصر سے جا ملے

چلے حاملاں دونوں گھر کے شتاب دھرے دونوں گھر سر پہ مثلِ حباب

ہوا پر ہوئے گرم رو جوں شرر ہوا مصر میں حاملوں کا گزر

اڑے جلد دیو ان پرستان کے رکھے دونوں گھر، گھر میں سلطان کے

زمیں پہ ہوئے قائم اور استوار دے دو قصرِ زرّیں جواہر نگار

نکل گھر سے وہ شاہ عالی جناب مرخص کیا حاملوں کو شتاب

گئے نرہ دیو ان پرستان میں رہے دونوں گھر شہ کے ایوان میں

[1] و [2] کرم خوردہ

[3] اکل = کھانا، غذا

[4] مضمضہ = اس پانی کو کہتے ہیں جو سارے منہ میں پھرا کر کی جائے۔

[5] نرہ دیو = بدشکل دیو

[6] پڑھا نہیں گیا۔

نزاکت پری اور روشن ضمیر — وزیر اور وہ سرور بے نظیر
گئے گھر میں سلطاں کے مجرا کیا — طرب ناک دیکھ ان کو سلطان ہوا (ورق:٦٦)
بٹھایا انہیں شاہ بیگم نے پاس — ہوئے اس گھڑی جمع ان کے حواس
وہاں آن اس وقت بدر منیر — گلے سے لگی اس کے روشن ضمیر
نزاکت پری بھی گلے سے لگی — شگفتہ ہوئیں مل کے تینوں کلی
بچھایا وہاں ایک دستار خواں — مہیا ہوئی جملہ نعمت وہاں
تناول کیا کھانا پانی پیا — رخ و دست دھو عطر عنبر ملا
ہوا شاد سلطان انجم چشم — کیا اس نے تینوں بہو پر کرم
گئی اپنے منزل میں بدر منیر — گئی قصر میں اپنے روشن ضمیر
نزاکت پری بھی گئی اپنے گھر — گیا اپنے گھر میں وزیر پسر
گیا اس طرف وہ شہ بے نظیر — کہ جس طرف رہتی تھی بدر منیر
ہوا اس سے سرگرمِ بوس و کنار — ہوا چاشنی گیر سیب و انار
پلنگ پر لٹا گرم عشرت ہوا — گلے سے لگا گرم عشرت ہوا
دو ساعت رہا گرم عیش و نشاط — کیا اس سے ہر طور کا اختلاط
ہوئی تب جدا شہ سے بدرِ منیر — گیا اس کے گھر سے شہ بے نظیر
طرب ناک وہ قصر زر میں گیا — نزاکت پری کے وہ گھر میں گیا
کیا حاصل اس ماہ سے کام دل — میسر ہوا اس کو آرام دل
ہوا ماہ و خورشید کا اجتماع — [1] ....
ہوئی حاصل اس کو حلاوت نئی — ملی اس شکرلب سے لذت نئی
ہوا عیش و عشرت سے فارغ وہ شاہ — ہوئی شاد و خرسند وہ رشک ماہ
وہاں سے گیا وہ شہ بے نظیر — طرب ناک نزدیک روشن ضمیر
لگی اٹھ گلے سے وہ اس شاہ کے — تصدق ہوئی جی سے اس ماہ کے
ہوا اس پری سے وہ گرم نشاط — کیا شاہ نے ماہ سے اختلاط

[1] کرم خوردہ

کبھی اس کے مکھڑے کے بوسے لیے — پری نے کبھی لب کے بوسے دیے
لگایا کبھی اس کے محرم پہ ہاتھ — کبھی گرم عشرت ہوا اس کے ساتھ

.... ۱
.... ۲
.... ۳

غرض اس طرح سے وہ عالی مقام — رہا تین دلبر سے سرخوش مدام
نزاکت پری اور روشن ضمیر — سمن بود گل چہرہ بدر منیر
شب و روز اس شہ کی دم ساز تھیں — انیس دل و محرمِ راز تھیں (ورق: ۶۷)
وہ تینوں سے تھا گرمِ عشرت مدام — کیے تھا اس عیش میں صبح و شام
نہ تھی شاہ کو فکر دنیا کی کچھ — نہ اس ماہ کو فکر عقبیٰ کی کچھ
زر و مال کی اس کو پرواہ نہ تھی — اسے سلطنت کی تمنا نہ تھی
سدا عیش و عشرت میں رہتا تھا وہ — شب و روز خلوت میں رہتا تھا وہ
ہم آغوش تھا وہ پری زاد سے — اٹھاتا تھا حظ سر و شمشاد سے
اور اک آدمی زاد تھی رشک حور — سدا نکتہ پرداز اس کے حضور
سدا ان قمر طلعتاں سے وہ شاہ — کہ ہر اک کی جی میں وہ رکھتا تھا چاہ
کرے تھا وہ عشرت نئی آن سے — وہ ملتا تھا دل کھول ارمان سے
ہوا منقضی عیش میں ایک سال — ہوا مہرباں قادر ذوالجلال
ہوئے اس کے تینوں شجر پر ثمر — رہا ان کی تینوں صدف میں گہر
غرض ایک شب وہ شہ بے نظیر — گیا جانب قصر بدرِ منیر
کرم کر گلے سے لگایا اسے — طلا کے پلنگ پر لٹایا اسے

.... ۴
.... ۵
.... ۶

۱ تا ۶ کرم خوردہ

۱ ....

گئی وہ لپٹ شہ سے بے اختیار — گئی وہ چپک شہ کے بے اختیار

۲ ....

۳ ....

۴ ....

۵ ....

ہوا اس گھڑی خودبخود بدحواس — نزاکت پری کے گیا شاہ پاس

گلے سے لگی شاہ کے وہ پری — ہوا شاہ سرگرم عشرت گری

۶ ....

۷ ....

۸ ....

۹ ....

ہوا منعقد عقد سیماب کا — ہوا کام اس رشک مہتاب کا

رہا اس پری کو حمل شاہ کا — ہوا شاد دل ہر ہواخواہ کا

ہوا شاہ اس دم پری سے جو — نکل گھر سے وہ شاہ نینا چلو (ورق:۶۸)

گیا قصر زرّیں میں وہ بے نظیر — لگی آ گلے اس کے روشن ضمیر

کیا اس سے اس شاہ نے اختلاط — ہوا اس سے سرگرم عیش و نشاط

لیا بوسہ رخسار محبوب کا — ہوا محو دیدارِ محبوب کا

۱۱ ....

۱۲ ....

۱۳ ....

۱۴ ....

۱۵ ....

---

۱ تا ۱۵ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھے نہیں جا سکے۔

نئی شاہ کو اس سے لذت ملی　　پری کو بھی تازہ حلاوت ملی

....　　..............................[۱]

....　　..............................[۲]

....　　..............................[۳]

ہوئی شاہ سے حاملہ وہ پری　　ہوئی صاحب رتبہ وہ مشتری

ہوئی مشتری تب جدا شاہ سے　　ہوئی وہ پری تب جدا شاہ سے

غرض فضلِ حق سے وہ تینوں شجر　　ہوئے ایک دن ایک شب بارور

ہوئی حاملہ شہ سے بدرِمنیر　　نزاکت پری اور روشن ضمیر

رہا گرمِ عشرت انہوں سے وہ شاہ　　ہوئے منقبض عیش میں چار ماہ

ہر اک ماہِ رخسار سے ایک بار　　علامت حمل کی ہوئی آشکار

ہر اک ماہ کو حاملہ دیکھ کر　　ہوا شاد و خرسند وہ نامور

انہوں سے کیا شہ نے ترک اختلاط　　وہ شہ ان کی کرنے لگا احتیاط

یہ سن کر خبر شاد بیگم ہوئی　　حمل دیکھ ان کا وہ خرم ہوئی

ہوا شاد سلطاں بھی سن یہ خبر　　تصدق کیا ان پہ اک خوانِ زر

ہوئے فضلِ حق کے سب امیدوار　　ہوئے شادماں واں صغار و کبار

مچی گھر میں سلطاں کے شادی عجب　　ہوئے منتظر آمد گل کے سب

ہوا اس بشارت سے خوش گھر کا گھر　　خوشی سے ہوئے نو مہینے بسر

خوشی کا وہ دن تھا خوشی کی تھی رات　　زباں پر بھی انجم کی شادی کی بات

سر شب کو آیا شہ بے نظیر　　ہوئی مضطرب حال بدر منیر

ہوئی دردِ زہ سے اسے بے کلی　　ہوئی سخت پژمردہ مثل کلی

اور اس مہ کے منہ کی صفائی گئی　　قریب اس کے دائی جنائی گئی

پلنگ پر لٹایا اسے ایک بار　　خوشی سے جنایا اسے ایک بار (ورق: ۶۹)

حمل سے نکل آیا ایک آفتاب　　فروزاں ہوا منزلِ ماہتاب

---

۱ تا ۳ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھے نہیں جا سکے۔

ہوا شاہ کے گھر کا روشن چراغ ہوا ہر طرف شمع کے دل کا داغ
چھری سے وہیں طفل کی کاٹی ناف بھری دایہ نے ناف میں مشک صاف
دیا غسل مولود مسعود کو کیا پاک اس طفل محمود کو
دیا شاہ بیگم کو اس کو شتاب ہوئی شاد دیکھ اس کو وہ ماہتاب
اسے نقد و گوہر عنایت کیا اسے بھر کے خوانِ اشرفی دیا
زچہ کو کیا پاک وہ مشتری کلھیں لے کے کولہے پہ اس کے پھری
کمر باندھی اس کی کمر بند سے پڑا کام اس کو ہنرمند سے
وہیں اٹھ کے بیٹھی پلنگ پہ وہ ماہ ہوا شادماں دیکھ کر اس کو شاہ
پلایا اسے شوربا مرغ کا حریرہ بنا کر کے اس کو دیا
طلا تاب آب اس قمر نے پیا نئے پان کا اس کو بیڑا دیا
بلا کر وہاں دایۂ شیرخوار پسر کو دیا گود میں ایک بار
پیا دودھ اس طفل نے بھر کے پیٹ لیا گود میں اس کے منہ کو لپیٹ
چھپا نظرِ بد سے فرزند کو جلایا وہیں گھر میں اسپند کو
دیے ڈال پردے سب ایوان کے محافظ ہوئے اس کی سب جان کے
فروزاں کیا گھر میں شمع چراغ ہوا ہر دمہ اس کا گرم سراغ
ہوا خانہ روشن چراغوں سے سب ہوا شاد سلطان عالی نسب
پسر کے پسر کو گلے سے لگا ہوا شاد اس پر کیا دل فدا
کیا دونوں دائی کو زر سے نہال فراواں دیا اس کو اسباب مال
بجا لایا حق کا وہ حمد و سپاس بلایا ستارہ شناس اپنے پاس
منجم نے کھینچا وہیں زائچہ کہ کس طور کا ہے زچہ کا بچہ
تامل سے وہ غور سے دیکھ کر سبھوں کو سنائی خوشی کی خبر
دیا مژدہ سلطان کو کہ اے بادشاہ یہ مولود مسعود ہے رشک ماہ
سعادت میں ہے مشتری سے بڑا شمائل میں حور و پری سے بڑا
یہ فرزند ہے زور اقبال مند یہ ہے شان و شوکت میں جم سے بلند

یہ فرزند ہے صاحب تخت و تاج — یہ شاہانِ عالم سے لے گا خراج
زمانے کا صاحب قرآں ہوگا یہ — شہنشاہ گیتی ستاں ہوگا یہ
منجم نے یاں ختم کر کے کلام — رکھا اس کا خورشید زربخش نام
یہ احوال سن شاد سلطاں ہوا — زر و مال اس کو عنایت کیا
منجم گیا واں سے دروازے پر — کہ پہنچی نئی واں خوشی کی خبر [ا]
نزاکت پری کو اٹھا دردِ زہ — ....
تھے اس وقت در پاس شب ناگہاں — تولد ہوا طفل روشن رواں
فروزاں ہوا خانہ اس ماہ سے — ہوا ملک آباد اس شاہ سے
پری کے حمل سے ہوا آشکار — مجسم یکے شعلۂ نور بار
مجسم نظر آیا واں ایک نور — ہوا نور سے اس کے گھر رشک حور
محل میں ہوا شور دوڑو شتاب — کہ نکلا ہے اب رات کو آفتاب
کہا ایک نے بڑی پارہ ہے یہ — کہا دوسرے نے ستارہ ہے یہ
کسی نے کہا رشک شمشاد ہے — کسی نے کہا یہ پری زاد ہے
نجاست سے کر طفل کو پاک و صاف — وہیں کاٹ ڈالی جنائی نے ناف
بھری مشک سے ناف باندھی شتاب — دیا غسل اس کو طلب کر کے آب
کر آراستہ اس کے تن پر لباس — اسے لے گئی شاہ بیگم کے پاس
ہوئی شاد اس کو گلے سے لگا — پلایا اسے شیر دایہ بلا
گئی واں سے دایہ پری کے حضور — پلنگ پہ تھی بے تاب وہ رشک حور
ملا پیٹ کو اس کے وہ مشتری — بحال اس دوا سے ہوئی وہ پری
کمر اس کی باندھی اٹھایا اسے — لگا گاؤ تکیہ بٹھایا اسے
حریرہ پیا شوربہ بھی پیا — تناول طلا تاب بانی کیا
دکھایا پسر اس پری زاد کو — ہوا چین اس رشک شمشاد کو
وہاں آیا سلطاں خوشی سے شتاب — نظر آیا اس شہ کو آفتاب

ا مصرعہ ثانی کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھا نہ جا سکا۔ یہاں سے کچھ صفحات غائب ہیں۔

لگایا گلے سے جو وہ نور عین ‏ ‏ ‏ ہوا نور دیدے کو اور دل کو چین
دیا دایہ کو وہ پسر ایک بار ‏ ‏ ‏ کیے خوان زر کے پسر پر نثار
منجم بھی حاضر ہوا شہ کے پاس ‏ ‏ ‏ پکارا خوشی سے وہ اختر شناس
مبارک قدم یہ بھی مولود ہے ‏ ‏ ‏ یہ فرزند محمود و مسعود ہے
ذوالاقبال یہ رشکِ شمشاد ہے ‏ ‏ ‏ سلیماں حشم یہ پری زاد ہے
یہ نورالبصر بھی جواں بخت ہے ‏ ‏ ‏ یہ گیرندۂ افسر و تخت ہے
مطیع اس کے ہوں گے جن و بشر ‏ ‏ ‏ پرستان میں جا کے کرے گا گذر
بنی جاں کے شاہوں سے لے گا خراج ‏ ‏ ‏ یہ ہوگا وہاں مالکِ تخت و تاج
مسخر کرے گا یہ سب کوہ قاف ‏ ‏ ‏ کرے گا زمیں کو تظلم سے پاک
کرے گا یہ آباد سب دشت و کوہ ‏ ‏ ‏ رکھو نام اس کا سلیماں شکوہ
ہوا شاد سلطان یہ سن کر خبر ‏ ‏ ‏ دیا اس منجم کو پھر مال و زر
منجم نکل گھر سے در پہ گیا ‏ ‏ ‏ وہیں آسماں پر اُجالا ہوا (ورق:۱۷)
ستارہ سحر کا ہوا آشکار ‏ ‏ ‏ ہوئی صبح صادق وہیں نوربار
چٹکنے لگے صبح گلشن کے گل ‏ ‏ ‏ محل تیسرے سے ہوا شور و غل
گیاں واں شتابی شہ بے نظیر ‏ ‏ ‏ نظر آئی بے تاب روشن ضمیر
اٹھا درد اس رشک شمشاد کو ‏ ‏ ‏ ہوئی بے کلی اس پری زاد کو
گئی دوڑی دائی جنائی شتاب ‏ ‏ ‏ ہوئی حاصل اس کو کمائی شتاب
لگا ہاتھ اپنے ہلایا اسے ‏ ‏ ‏ گئی پل میں بیٹا جنایا اسے
تولد ہوا اس پری سے پسر ‏ ‏ ‏ ہوا روشن اس ماہ سے اس کا گھر
فلک پر ہویدا ہوا آفتاب ‏ ‏ ‏ زمیں پر بھی پیدا ہوا آفتاب
وہ خورشید اس وقت آئے نظر ‏ ‏ ‏ فروزاں ہوا دونوں سے بام و در
یہ خورشید پردے میں مستور تھا ‏ ‏ ‏ عیاں اس سے لیکن نیا نور تھا
اگر آفتاب فلک دور ہے ‏ ‏ ‏ مقابل ہو اس نور مستور ہے
تجلی سے اس کی ہو جل کر کباب ‏ ‏ ‏ زمیں پر گے آسماں سے شتاب

کیا روشن اس نور نے شہ کا گھر   فروزاں ہوا شاہ کا بام و در
نظر آیا دائی کو وہ پاک و صاف   گئی اور بھرے مشک سے دیکھی ناف
دیا غسل اس کو پہنایا لباس   گئی دایہ لے اس کو بیگم کے پاس
لیا اس نے فرزند چھاتی لگا   پلایا اسے دودھ دائی بلا
وہ دائی گئی جس طرف تھی پری   زچہ کا ملا پیٹ دی مشتری
کمر باندھی اس کی بٹھایا اٹھا   پری نے پیا مرغ کا شوربا
طلا تاب پانی کیا نوش جاں   پسر دیکھ اپنا ہوئی شادماں
یہ سن کر خبر سلطاں آیا وہاں   فروزاں نظر آیا اس کو مکاں
پڑا دیکھ گھوارے میں آفتاب   تصدق ہوا اس کے جا کر شتاب
کیے طفل پر لعل و گوہر نثار   دیا دونوں دائی کو زر بے شمار
ہوئیں دونوں دائی طرب ناک و شاد   ثنا خواں ہوئیں شہ کی حد سے زیاد
ہوا حاضر اس دم ستارہ شناس   کہا بیٹھ کر اس نے سلطاں کے پاس
کہ یہ طفل ان دونوں اطفال سے   بہت خوب ہے حق کے افضال سے
یہ صورت میں سیرت میں ہے بے مثال   یہ ہے مہر رخسار یوسف جمال
بزرگی میں اور قدر میں ہے بڑا   کہ اس مہہ کا گردوں پہ سایہ پڑا
یہ ہے شاہ آفاق انجم سپاہ   یہ ہے شانِ جم فلک بار گاہ
یہ بہرام صورت ہے کیواں شکوہ   یہ ہے ماہ طلعت سلیماں شکوہ
سعادت میں بہتر ہے برجیس سے   فضیلت میں بہتر ہے ادریس سے (ورق:۷۲)
یہ پہنچے گا عالی مقامات کو   کرے گا یہ برہم طلسمات کو
بڑی اس کی شوکت ، بڑی اس کی شان   یہ عالم میں ہووے گا صاحب قران
تم اس طفل کا اے شہ دیں پناہ   رکھو نام جمشید زریں کلاہ
وہ سلطاں ہوا خرم اس بات سے   کیا شاد اس کو عنایات سے
دعا گو ، ثناخواں منجم ہوا   تونگر ہو وہ اپنے گھر کو گیا
مچی تینوں گھر میں عجب دھوم دھام   ہوا کسبیوں کا وہاں ازدہام

بھرے کسبیوں سے وے تینوں محل
کہ وے موسیقی میں تھیں سب بے مثل
مچا ہر زچہ خانوں میں راگ و رنگ
پکھاوج بجی اور قانون و چنگ
بجے دائرے اور بین اور رباب
ہوئی نغمہ پرواز ہر ماہتاب
ترانے سنائے سدا رنگ کے
بدھاوے بھی گائے سدا رنگ کے
شہانے کی تانیں اٹھائیں نئی
سبانِ[1] ادائیں دکھائیں نئی
کیا رقص آغاز انداز سے
تھرکنے لگیں غمزہ و ناز سے
سماں ناچ کا بندھ گیا جا بجا
کرشمے کیے اور ناز و ادا
ہر اک مہ کے منزل پہ شادی مچی
ہر اک مہر کے در پہ نوبت بجی
اٹھا ہر طرف سے ٹکوروں کا شور
مچایا وہاں غل نفیری نے زور
شہانے بجیں اور شہنائیاں
گئی چرخ پر کرنا کی فغاں
شکم سیر کھاتے تھے پیر و جواں
مہیا تھی دنیا کی نعمت وہاں
شب و روز واں ہر محل میں تھی دھوم
ادا سب ہوئے واں چھٹی کی رسوم
شب و روز گانا بجانا تھا واں
نئی تان لے کر رجھانا تھا واں
سب اسباب عشرت کا موجود تھا
ہر اک شخص خرم تھا ، خوشنود تھا
رہا راگ اور ناچ چالیس دن
رہی سب کی خاطر وہاں مطمئن
نہ تھا ایک کے دل میں غم کا نشاں
طرب ناک تھے گھر میں خرد و کلاں
چہل تھی نئی گھر میں ہر صبح اور شام
خوشی سے ہوا ان کا چلّہ تمام

داستان در بیان حسن چلّہ ہر سہ پری زاد
غیرت شمشاد و عشرت کردن

شتابی سے اے ساقی بزم حشم
کر اس بزم کو رشک باغ ارم
کر اس بزم کو جواہر نگار
کہ ہے اُن سے گلشن میں فصلِ بہار
سہ مست سوسن ہے گل زار میں
وہ چھپتی ہے انگور کی دار میں
بچے حسن سے گل بھی مغرور ہے
گلستاں میں نرگس بھی مخمور ہے (ورق:۷۳)

[1] سباں، سب

چمن میں گل و لالہ گل پوش ہے — ہر اک غنچہ گلشن میں مے نوش ہے
کر اس بزم شادی کو آراستہ — نئی زیب و زینت سے پیراستہ
قرابے کا منہ کھول دے تو شتاب — تو گردش میں لا ساغر آفتاب
مہ نو کی کشتی میں بھر دے شراب — کہ ہر دم زمانے کو ہے انقلاب
پلا مجھ کو اے ساقی رشک حور — مے ناب سے بھر کے جام بلور
کہ مے مست ہو ساقیِ مہرباں — کروں بزم چلّہ کا تجھ سے عیاں
لگا ابٹنا[1] تن میں کر عبیر[2] — نہا دھو کے بیٹھی وہ بدرِمنیر
اور اس گل نے پہنا زر کا لباس — کہ جس میں سے آتی تھی پھولوں کی باس
اور الماس کا پہنا زیور تمام — لگا خوش نما وے جواہر تمام
وو چوٹی گوندھی بوریا باف کی — و پٹی جما گوند سے صاف کی
وو موباف بھی بادلے سے بنا — نیا پیچ اس ناگنی کو دیا
لبوں پر مسّی کی دکھائی بہار — کیا داغ دل لالے نے آشکار
بھرے مانگ میں گوہر شاہوار — کیا اس نے سولہ سو اپنا سنگار
نکل آئی جلسے سے وہ بے نظیر — ہوئی مسند آرا وہ بدر منیر
نہا دھو کے لڑکے نے پہنا لباس — لے آئے اسے اس کی مادر کے پاس
دیا اس کو، دائی کو ہنس کر کہا — پلا دودھ اس کو شتابی پلا
ہوئی عیش پرواز وہ رشک حور — ہوا رقص آغاز اس کے حضور
بندھا اس کے آگے سماں راگ کا — تنبورے بجے اور مندل بجا
مچی اس کے گھر میں نئی دھوم دھام — ہوا ماہ رویوں کا واں ازدحام
اور اس ماہ کے در پر نوبت بجی — عجب طور چلّے کی شادی مچی
اور اس ماہ کے گھر میں سلطاں گیا — وہاں تخت پر جلوہ فرما ہوا
وہاں آئی بیگم بھی شہ کے حضور — زمرّد کی کرسی پر بیٹھی وہ حور

1۔ ابٹنا، غازہ = ایک مرکب جس کے ملنے سے بدن خوشبودار اور ملائم ہو جاتا ہے۔

2۔ عبیر = کپڑوں پر چھڑکنے کی خوشبو۔

بلا خادمانِ محل کو تمام — اکھٹے کیے اور سب خاص و عام
اور ان کسبیوں کو کہ ناچن تھیں واں — بدھاوے بھی گاتی تھیں اور گھوریاں
نئے تاش کے ان کو جوڑے دیے — اور ان کو اشرفی کے توڑے دیے
ہوئی مال و دولت سے ہر اک نہال — لکھوں ان کی بخشش مجھے کیا مجال
دیے جوڑے نوبت نوازوں کو واں — عنایت کیا مال و زر بے کراں
ہوا زر فشاں مثل ابر مطیر — ہوئی شاد سلطاں سے بدرِمنیر
گیا واں سے سلطان عالی جناب — نزاکت پری کے محل میں شتاب
ہوا جلوہ فرما وہاں تخت پر — گئی شاہ بیگم اِدھر سے اُدھر
ہوئی کرسیِ زر پہ وہ جلوہ گر — مصفا نظر آیا اس کو وہ گھر
نہا دھو کے آئی نزاکت پری — کر آراستہ تن پہ رخت زری
پہن کر زمرّد کے زیور تمام — بنی وہ پری طوطیِ بزم فام
وہ زیور تھا اس کا عجب خوش نما — ہوئی مسند زر پہ جلوہ نما
دیا غسل اور اس کے فرزند کو — پہنایا لباس اس کے دل بند کو
جواہر کا زیور پہنایا اسے — خوش اسلوب دولہا بنایا اسے
کیا اس پہ یک خوان پر زر نثار — ملا دائیوں کو وہ زر بیشمار
ہوا واں بھی آغازِ رقصِ و سرود — بجے دائرے اور بجے چنگ و عود
اٹھی ارغنوں سے خوشی کی صدا — اٹھی لے سے اور خرمی کی نوا
مچا اس کی مجلس میں سازوں کا شور — نکلنے لگے تب مقامات زور
رہا وی کی آہنگ پر سوز تھی — حسینی وہاں عالم افروز تھی
عرب کو عجم سے ہوا اتفاق — ہوئی جاں دو اصوات و ما بگ عراق
وہاں بھی مچی الغرض دھوم دھام — ہوا اس پری کا بھی چلّہ تمام
وہاں ہر زن ماہ رخسار کو — اور اس ماہ کی ہر پرستار کو
اور ان کسبیوں کی گاتی تھیں واں — خوشی کا سماں سب دکھاتی تھیں واں
کیا بادلا پوش زیور دیا — گئی خوان بھر لعل و گوہر دیا

تونگر کیا اس کو اس شاہ نے
دکھایا نیا نور اس شاہ نے
دیا اور نوبت نوازوں کو زر
زر افشاں ہوا شاہ مثل عطر
ہوا چلّہ آخر پری زاد کا
ہوا نام اس رشک شمشاد کا
نزاکت پری شاد و خرم ہوئی
طرب سے خوشی سے وہ توام ہوئی
وہاں سے وہ سلطان گردوں سریر
گیا جانبِ قصر روشن ضمیر
پکڑ ہاتھ میں اپنے اس کا ہاتھ
گئی شاہ بیگم بھی سلطاں کے پاس
ہوئے جلوہ گر تخت پر دونوں ماہ
منور ہوئی ان سے وہ بزم گاہ
نہا دھو ہوئی پاک وہ مشتری
پہن اپنی پوشاک نیلوفری
وہ سنجاف تھا نقرۂ تاش کا
اور اس پر بنت تھی نئی خوش نما
وہ گوٹے لگے تھے سنہرے بہت
ہوئی اس کے دامن میں ان کی کھپت
وہ بنی میں بیٹھا خوش اسلوب تھا
ہر گوکھرو سے وہ محبوب تھا
ازار اس پری کی تھی کم خواب کی
صفائی دکھائی تھی مہتاب کی
وہ شبنم کی محرم خوش اسلوب تھی
زری کی بنت اس میں کیا خوب تھی
وہ جالی کی کرتی تھی کیا خوش نما
کہ ہر مرغِ دل اس میں جا کے پھنسا
سراپا تھی بحرِ جواہر میں غرق
کہ جس کی چمک سے تھی شرمندہ برق (ورق:۷۵)
کیے اس پری نے نئے سب سنگار
گلے میں پڑے موتیوں کے تھے ہار
گندھائی تھی چوٹی پری نے شتاب
کہ ہر مو سے سنبل کو تھا پیچ و تاب
کنارے کا موباف اس میں پڑا
خوش اسلوب اس سے تھا جوڑا بندھا
وہ چشمِ سیاہ اور کاجل سیاہ
نہ ہو کیوں کر دونوں کا باہم نباہ
تھی اس کی نگہ کی لگاوٹ نئی
مسّی کی تھی لب پر جماوٹ نئی
نکل کر زچہ خانہ سے وہ پری
ہوئی برق سال گرم جلوہ گری
وہ مسند پہ بیٹھی نئی شان سے
ہوئی جلوہ آرا نئی آن سے
دیا غسل طفلِ پری زاد کو
ہوئی خرمی سروِ آزاد کو
پہنایا اسے سب زری کا لباس
تصدق ہوئی دائیاں آس پاس

پہنایا جواہر کا زیور اسے
لگے خوش نما لعل و گوہر اسے

دیا گود میں دایہ کے وہ پسر
کہا اس قمر کو سلا جلد تر

گئی اس کو لے کر دایہ شتاب
ہوا اس کی گودی میں وہ گرم خواب

ہوئی نغمہ پرواز ہر رشک حور
نئے ناز سے اس پری کے حضور

اٹھا شور شادی کا ہر ساز سے
تھرکنے لگی ڈومنی ناز سے

بتانے لگی بھاؤ وہ ناز سے
اٹھی بانگ عشرت کی ہر ساز سے

رباب اور قانوں سے نکلی صدا
اٹھی چنگ و نے سے خوشی کی نوا

اٹھی بین سے تائیڈول کی
چھبی دل میں دل کش صدا ڈھول کی

اثر بخش سارنگیوں کی صدا
سماں ناچ کا راگ کا بندھ گیا

محل میں ہوئی اس کی بھی دھوم دھام
ہوئی اس پری کا بھی چلّہ تمام

سب اس کے پرستار خادم کو واں
دیے جوڑے سلطاں نے سب زرفشاں

جواہر دیا سب کو اور مال و زر
ہوا شاد و آباد وہ سارا گھر

اور ان دونوں دائی کو بھی زر دیا
لباس زری اور زیور دیا

اور ان کسبیوں کو بھی جوڑے دیے
جواہر دیا ، زر کے توڑے دیے

دیا اس کے نوبت نوازوں کو زر
فقیروں کو اور بے نواؤں کو زر

عنایت کیا پھر گداؤں کو زر
ہوئے شاد و خرم وہ رشکِ قمر

غرض تین دن زر کی بارش تھی واں
تونگر ہوئے مصر کے ساکناں

ہوئے صرف شادی میں صد گنجِ زر
ہوئے سنگِ ناچیز لعل و گہر

کروں اس کی بخشش کا کیا میں بیاں
کیے اس نے خالی بحر و کاں (ورق: ۷۶)

زر افشانی اس شہ نے کی اس قدر
کہ غرق ندامت ہوا ابر تر

ہوئے فیض یاب اس سے خرد و کلاں
ہوئے بہرور اس سے پیر و جواں

مرخص کیا کسبیوں کو تمام
اٹھا واں سے سلطان عالی مقام

گیا اپنی دولت سرا میں شتاب
پلنگ پر گرا اور ہوا گرم خواب

گئی شاہ بیگم بھی سلطاں کے پاس
کہ تھی نیند سے وہ نپٹ بے حواس

پلنگ پر گئی لیٹ سلطاں کے وہ ۔۔۔ گلے سے لگی شاہ شاہاں کے وہ
کسی نے نہ کی بات وہ سو گئے ۔۔۔ وہ رشکِ قمر بے خبر ہو گئے
ہوئی شاد خرّم وہ بدرِ منیر ۔۔۔ نزاکت پری اور روشن ضمیر
گیا 'سروآزاد' مانند شیر ۔۔۔ طرب ناک نزدیک بدرِ منیر
اس آہو نگہ کو گلے سے لگا ۔۔۔ ہوا گرم عشرت پلنگ پر لٹا
ہوا مشغول بوس و کنار ۔۔۔ ملے ہاتھ میں ان کے دونوں انار
مزہ اس کے انگور کا لیا ۔۔۔ اور اس مہ سے وہ خرم ہوا
اور اس ناشپاتی کی کھولی ازار ۔۔۔ نظر آئی اس سیب تر کی بہار
نئی اس کو لذت دی اس سیب نے ۔۔۔ پیا پے حلاوت دی اس سیب نے
ہوا شاہ محفوظ اس ماہ سے ۔۔۔ ہوئی ماہ محفوظ اس شاہ سے
ہوئے سیر عشرت سے وے مہر و ماہ ۔۔۔ ہوئے شاد صحبت سے وہ مہر و ماہ
ہوئے یک دگر سے جدا شادماں ۔۔۔ گئے طفل کے پاس شادی کناں
گلے سے لگایا پسر شاہ نے ۔۔۔ بلا اس پسر کی لی اس ماہ نے
تقیہ کیا شہ نے خدام کو ۔۔۔ چھپا کر رکھو اس گل اندام کو
کرو احتیاط اس کی ہر صبح و شام ۔۔۔ نگہباں رہو اس کے گھر میں مدام
یہ کہہ کر سخن وہ شہ بے نظیر ۔۔۔ کیا جانب قصر روشن ضمیر
گلے سے لگا کر کے وہ ماہتاب ۔۔۔ لٹایا اسے بھی پلنگ پر شتاب

۱ ....

۲ ....

ہوا گرم عشرت و شہ ایک بار ۔۔۔ ہوا اس پری کے گلے کا وہ ہار
کیا حاصل اس ماہ سے کام دل ۔۔۔ ہوا شاہ کو حاصل آرام دل
حلاوت اٹھائی پری زاد سے ۔۔۔ ہوا خرم اس رشک شمشاد سے
ہوا شاہ اس ماہ سے شاد کام ۔۔۔ پری بھی ہوئی شاہ سے شاد کام

۱ تا ۲ کاغذ پھٹ جانے کی وجہ سے اشعار پڑھے نہیں جا سکے۔

ہوئے دست بردار عشرت سے وے   نکل آئے اس وقت خلوت سے وے
گئے دونوں نزدیک فرزند کے   لیے بوسے رخسار دل بند کے
کرم کر کے چھاتی لگایا اسے   کئی دم خوشی سے کھلایا اسے
کھلا کر پسر کو وہاں سے اُٹھا   نزاکت پری کے محل میں گیا
لگایا گلے سے اسے پیار سے   لیے بوسے اس مہ کے رخسار کے
ہوا جوشِ دل 'سروآزاد' کو   پلنگ پر لٹایا پری زاد کو

....۱
....۲
....۳

غرض شاہ دل کھول اس سے ملا   پری سے ہوا حاصل اس کو مزہ
نئی لذّت اس کو ہوئی دستیاب   گلے سے لگا کر ہوا گرمِ خواب
سحرگاہ بیدار سلطاں ہوا   خبردار ہوشیار سلطاں ہوا
ہوئی شاہ بیگم بھی بیدار تب   ہوئے فارغ البال حاجت سے سب
کیا آب سے پاک رخسار کو   فراغت ہوئی دونوں ہی دار کو
بلایا وہاں 'سروآزاد' کو   بٹھایا وہاں 'سروآزاد' کو
بلائیں وے تینوں بہو اپنے پاس   بٹھائیں وے تینوں بہو اپنے پاس
گئیں تینوں پوتوں کو لے دائیاں   خوشی سے وہ سلطاں کے پاس آئیاں۴
دیا اس کی گودی میں ان کو لیا   لیا ان کو سلطاں نے چھاتی لگا
دیا دائیوں کو یہ ان کو لیا   کرو پرورش ان کو تم گھر میں جا
نگہ باں رہو ان کی تم صبح و شام   کرو احتیاط ان کی تم سب مدام
مہیا ہوئے خوان نعمت وہاں   بچھایا وہاں ایک دستار خواں
ظروف بلوریں ظروف زیب   ملبّب تھے اقسام نعمت سے سب

۱ تا ۳ کرم خوردہ
۴ یہ لفظ آج کل متروک ہے۔

ہر اک قاب میں میوۂ خشک و تر — پیالوں میں لبریز شیر و شکر
طلا کار بلور کے چند قاب — بھرے ان میں اقسام کے لے کباب
قرینے سے اس کو چنا جا بہ جا — خوشی سے ہر اک نے تناول کیا
ہوئے سیر نعمت سے پانی پیا — شتاب آب سے ہاتھ منہ دھو لیا
ہوئے سیر نعمت سے سلطان کے — کیے نوش جاں بیڑے تب پان کے
ملا عطر تن من گئے اپنے گھر — ہوئے شاد خرم پدر اور پسر
لگے پرورش ہونے اطفال شاہ — کہ سلطاں کو بھی جن کے جینے کی چاہ
محافظ تھی ان کی سدا دائیاں — فدا ان کے کرتی تھیں سب نقد جاں
جھلاتی تھیں جھولے میں ان کو سدا — سلاتی تھیں جھولے میں ان کو سدا
دل و جاں سے کرتی تھی سب احتیاط — کہ حاصل تھا ان سے مواد نشاط
ہوئے پرورش ناز و نعمت سے سب — خوش و خرم اطفال تھے روز شب
تصدق تھے مادر پدر جان سے — انہیں پالتے تھے وے ارمان سے
جد و جدّہ ان کے فدا تھے مدام — کریں تھے انہیں پرورش صبح و شام
خدا نے کیا ان کا آباد گھر — ہوا شاہ کا عیش بنیاد گھر
رہے شاد و آباد گھر میں مدام — ہوئی یہ کہانی بھی اس جا تمام
الٰہی ہمیں بھی تو دل شاد کر — مرے شہر میں مجھ کو آباد کر
صفا دے مرے قصر و ایوان کو — کر آراستہ میرے دیوان کو
مجھے بھی بٹھا زر کی مسند پہ واں — مرا حکم ہو مثل دریا رواں
مرے گلستاں کو نئی دے بہار — شگفتہ مرے دل کو کر ایک بار
ذرا مہر سے اپنی اے ذوالجلال — مرے مدعی کو تو کر پائمال
دے اپنی عنایت سے فتح و ظفر — سنا دے نئی اب خوشی کی خبر
کر اس مثنوی کو مری پراثر — سخن کو مرے بخش آب گہر
مرے دل کو آرام دے جی کو چین — منور کر اب لطف سے میرے نین
کرم سے تو کر میری حاجت روا — کر اب دین و دنیا کی نعمت عطا

الٰہی مری عرض کرنا قبول
طفیلِ رسولؐ و طفیلِ بتول
مجھے کر سرافراز تو ایک بار
طفیلِ علیؑ شہ نام دار
تو اب کر دے روشن مری دونوں عین
طفیلِ حسنؑ اور طفیلِ حسینؑ
ترے فضل سے اے قدیم المثال
کٹے عیش و عشرت میں ہفتہ و سال (ورق:۷۹)
اسی طور خوش رکھنا مجھ کو مدام
الٰہی اثر بخش ہو یہ کلام
پڑھیں مثنوی میری سب خاص و عام
کریں خیر سے یاد مجھ کو مدام
یہ شعرائے دہلی کی گفتار ہے
کہ سن اس کو طوطی شکر بار ہے
یہ اردو کی بولی ہے رنگیں نپٹ
مٹھائی کے بل سے ہے شیریں نپٹ
فصاحت بلاغت ہے اس میں بھری
صفا اور لطافت ہے اس میں بھری
نہ سمجھے ہے کوئی زباں کو مرے
نہ جانے ہے حسن بیاں کو مرے
عزیزوں سے میں کیا کروں التماس
کوئی ہے کہاں یاں حقیقت شناس
کسی سے ہمیں کیا سروکار ہے
ستائش کا ایزد سزاوار ہے
درود و تحیت ہے شام و سحر
محمدؐ پر اور آلِ اطہار پر

❖❖❖